ماہنامہ
مارچ 2026ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا بیاسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

عید مبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب کے علمی اسلوب تحقیق کی تائید

قرآنی نظریات کی روشنی میں مغرب کے غلط تصورات کی تردید میں محترم پرویز اور ہمارے ہاں کے مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر علامہ اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب بھی قارئین ان اقتباسات کی روشنی میں محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام خوبیوں کو بشمول دیگر خوبیوں کے ان میں پائیں گے۔ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کا موقف جاننے کے لئے خصوصی طور پر ان کی تصانیف ''انسان نے کیا سوچا'' اور ''اسلام کیا ہے'' ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

(1) ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا موقف:

1- عقل اور وحی میں تصادم نہیں بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

2- قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

(الف) اپنے زمانوں کے تقاضوں اور اپنے دور کی فکری کاوشوں سے متعارف ہوں۔

(ب) قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف:

مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید قرآنی نظریات سے کرتے ہوئے مصنف کے لئے ضروری ہے کہ:

1- وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2- وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرزِ خیال و عمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

3- وہ علم کے تمام شعبوں سے یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو ان علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصورات کو اخذ کر سکیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
مارچ 2026ء

جلد 79 | شمارہ نمبر 03

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: رویتِ ہلال؛ اتحادِ امت یا اختلاف کی روایت؟ 2 23 مارچ: ایک عہد کی تجدید کا دن	محمد سلیم اختر، لاہور	4
قیامتِ موجود	منزل بہ منزل سے ماخوذ	9
اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقتدار کی کشمکش	خورشید انور، سوات	39
لیلۃ القدر کا قرآنی مفہوم اور اہمیت	ڈاکٹر انعام الحق	42
ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	بزم لندن	46
خواتین کا صفحہ: عورت اور قرآن (قسط نمبر:4)	جمیلہ خاتون پالوی، بھارت	50
مرحلہ وار سلسلہ (پوسٹ نمبر:4)	انجینئر سلیم اقبال	54
بچوں کا صفحہ: اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے	ادارہ	58

ENGLISH SECTION

WHY DO WE CELEBRATE EID? BAZM TOLU-E-ISLAM LONDON	61

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 100 روپے فی پرچہ
پاکستان: 1200 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1500 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)

Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
Cell: +92 318 2221851

idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر 25-B، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

محمد سلیم اختر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

رویتِ ہلال

اتحادِ امت یا اختلاف کی روایت؟

اسلامی معاشرے میں چند مہینوں کے آغاز کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ خصوصاً رمضان اور شوال۔ مگر ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کوئی سال ایسا گزرتا ہو جب ان مہینوں کے چاند کے معاملے پر اختلاف نہ ہوتا ہو۔ ایک ہی ملک میں، ایک ہی شہر میں بلکہ بعض اوقات ایک ہی گلی میں دو عیدیں منائی جاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ اختلاف واقعی ناگزیر ہے؟ یا یہ ایک ایسی الجھن ہے جسے دور کیا جا سکتا ہے مگر دانستہ باقی رکھا جا رہا ہے؟

جب اس اختلاف کے خاتمے کی بات کی جائے تو فوراً ایک جملہ پیش کر دیا جاتا ہے: ''اختلافُ امّتی رحمۃ'' میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی معتبر کتابوں صحاح، سنن، مسانید، موطآت، مصنفات یا معاجم میں یہ روایت موجود نہیں۔ اس کے باوجود اسے اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے گویا اختلاف خود ایک مقدس چیز ہو اور اتحاد کوئی مطلوب امر نہ ہو۔ نتیجہ یہ کہ اختلاف برقرار رہتا ہے، اور اس کے ساتھ وہ گروہی قیادتیں بھی محفوظ رہتی ہیں جن کی حیثیت اسی تقسیم پر قائم ہے۔

قرآن کا پیغام اس کے برعکس ہے۔ وہ امت کو تفرقے سے بچنے اور وحدت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (3:103)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔

اگر ایک ہی حکم کی تعمیل یعنی روزہ اور عید مختلف دنوں میں ادا کی جائے تو یہ وحدت کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ عبادت کا اجتماعی پہلو ہی اس کی روح ہے۔ ایک امت کا بیک وقت روزہ رکھنا اور بیک وقت عید منانا ہی اس کے اتحاد کی علامت ہے۔

مسئلے کی اصل نوعیت:

رویتِ ہلال کے متعلق حدیث میں آیا ہے: ''صوموا لرؤیتہٖ وافطروا لرؤیتہٖ''

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو۔

یہ حکم ایک ایسے معاشرے کو دیا گیا تھا جو اُمی تھا۔ نہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا، نہ فلکی حساب سے واقف تھا، نہ دور دراز

علاقوں کی فوری خبر مل سکتی تھی۔ اس وقت ''رویت'' ہی واحد قابلِ عمل طریقہ تھا۔ یہ عین حکمت تھی کہ دین نے ایسی ہدایت دی جو ہر شخص کے لیے قابلِ فہم اور قابلِ عمل ہو۔

مگر اب حالات یکسر بدل چکے ہیں۔ آج انسان چاند کی حرکت ہی نہیں بلکہ سورج و چاند گرہن تک کی پیشگوئی سیکنڈ کے حساب سے کرسکتا ہے۔ فلکیات کے مطابق:

چاند تقریباً 29 دن 12 گھنٹے 44 منٹ 17.78 سیکنڈ میں اپنی گردش مکمل کرتا ہے

زمین تقریباً 365 دن 6 گھنٹے 9 منٹ 9.5 سیکنڈ میں سورج کے گرد چکر مکمل کرتی ہے

مہینوں پہلے معلوم ہوجاتا ہے کہ کس وقت کہاں چاند نظر آئے گا۔

یہ وہ علم ہے جو تجربہ، مشاہدہ اور حساب پر مبنی ہے اور اس کی درستی عملی طور پر ثابت ہوچکی ہے۔

فقہی اصول: حکم علت کے ساتھ بدلتا ہے

بعض معاصر فقہاء نے اسی اصول کی بنیاد پر فلکی حساب کو جائز قرار دیا ہے کہ ''الحکم یدور مع علتہ وجوداً وعدماً''، حکم اپنی علت کے ساتھ وجود اور عدم میں بدلتا ہے۔ اگر حکم کی بنیاد اُمیت (امی ہونا) تھی اور وہ علت ختم ہوگئی تو طریقہ بھی بدل سکتا ہے۔

مشہور مفکر صبحی محمصانی نے اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ جب امت اُمّیت سے نکل کر علم اور حساب کی صلاحیت حاصل کرلے تو یقین اور قطعیت کے لیے فلکی حساب پر اعتماد کرنا زیادہ مناسب ہے، اور رویت کا طریقہ صرف وہاں اختیار کیا جائے جہاں یہ علم میسر نہ ہو۔

عملی تضاد:

دلچسپ بات یہ ہے کہ ہم اپنی روزمرہ عبادات میں پہلے ہی فلکی حساب پر اعتماد کررہے ہیں:

کوئی شخص فجر کی نماز کے لیے آسمان پر سفید و سیاہ دھاری نہیں دیکھتا۔

سحری اور افطار سائرن یا کیلنڈر کے مطابق ہوتے ہیں۔

نمازوں کے اوقات سورج کی پوزیشن دیکھ کر نہیں بلکہ حسابی تقویم سے طے ہوتے ہیں۔

پوری دنیا کے مسلمان انہی اوقات ناموں کے مطابق عبادات ادا کرتے ہیں۔

اگر یہ سب قابلِ قبول ہے تو صرف ہلال کے معاملے میں فلکیات کو ناقابلِ اعتماد کیوں سمجھا جاتا ہے؟

قرآن کا زاویۂ نظر:

قرآن چاند اور سورج دونوں کو وقت کے پیمانے قرار دیتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ (10:5) (اس نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرسکو)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اصل مقصد حساب ہے یعنی وقت کا منظم تعین۔ طریقہ حالات کے مطابق بدل سکتا ہے، مقصد نہیں۔

اتحادِ امت کی ضرورت:

آج دنیا سکڑ کر ایک عالمی برادری بنتی جا رہی ہے۔ مواصلات کے ذرائع نے فاصلے ختم کر دیے ہیں۔ اگر مسلمان واقعی ایک امت بننا چاہتے ہیں تو انہیں ایسے مسائل میں وحدت اختیار کرنا ہوگی جو ان کے اجتماعی شعور کو متاثر کرتے ہیں۔ ایک ہی ملک میں مختلف عیدیں نہ صرف مذہبی سطح پر الجھن پیدا کرتی ہیں بلکہ عالمی سطح پر امت کے انتشار کی علامت بھی بن جاتی ہیں۔

اسلام کی روح یہ نہیں کہ ہر گروہ اپنی الگ شناخت قائم کرے بلکہ یہ ہے کہ پوری امت ایک نظم کے تحت زندگی گزارے۔ اگر اجتماعی مصلحت کا تقاضا ہو تو ایک متفقہ تقویم اختیار کرنا عین قرآنی حکمت کے مطابق ہوگا۔

اصل مسئلہ: علم یا مفاد؟

یہ سوال بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کہیں یہ اختلاف علمی سے زیادہ مفاداتی تو نہیں؟ گروہی قیادتیں، مذہبی اثر و رسوخ اور مقامی اقتدار یہ سب عوامل اس مسئلے کو پیچیدہ بناتے ہیں۔ اگر ایک مرکزی فیصلہ ہو جائے تو بہت سی مصنوعی حیثیتیں ختم ہو سکتی ہیں۔

نتیجہ: وقت کا تقاضا

اب وقت آ گیا ہے کہ اس سالانہ تنازع کو ختم کیا جائے اور ایک ایسا نظام اختیار کیا جائے جو:

یقینی ہو

سائنسی طور پر درست ہو

امت کو متحد کرے

قرآن کے اصولِ نظم و حساب کے مطابق ہو

فلکی حساب اس مقصد کے لیے ایک قابلِ اعتماد بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اگر پوری امت ایک متفقہ تقویم اختیار کر لے تو نہ صرف اختلاف ختم ہوگا بلکہ عبادات کی اجتماعی روح بھی مضبوط ہوگی۔

قرآن ہمیں راستہ دکھا چکا ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (76:3)

ہم نے راستہ دکھا دیا اب اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے۔

رؤیتِ ہلال کا مسئلہ دراصل چاند کا نہیں، شعور کا مسئلہ ہے۔

جب امت علم، نظم اور وحدت کو ترجیح دے گی تو اس کا چاند بھی ایک ہوگا اور اس کی عید بھی۔

2

23 مارچ: ایک عہد کی تجدید کا دن

یوں تو ہر دن اللہ ہی کا ہوتا ہے، لیکن تاریخ کے کچھ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں ایسے عظیم الشان انقلابات رونما ہوتے ہیں کہ قرآن انہیں ''ایّامُ اللہ'' کہتا ہے وہ دن جب اقوام کی تقدیر کا دھارا بدل جاتا ہے، جب تاریخ کا پہیہ ایک نیا رخ اختیار کرتا ہے، اور جب ایک منتشر قوم اچانک شعورِ مقصد سے آشنا ہو جاتی ہے۔ 23 مارچ بھی مسلمانانِ برصغیر کی اجتماعی حیات کا ایسا ہی ایک دن ہے۔ یہ صرف ایک قرارداد کا دن نہیں بلکہ ایک فکری بیداری، ایک ملی تشخص اور ایک نئے عہد کے آغاز کا دن ہے۔

اس دن کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس پس منظر کو دیکھنا ہوگا جس میں یہ انقلاب پیدا ہوا۔ برصغیر کے مسلمان ایک طویل عرصے سے سیاسی، فکری اور تہذیبی بے سمتی کا شکار تھے۔ ان کے قدم اٹھتے تھے مگر راستہ واضح نہ تھا، منزل کا نشان سامنے نہ تھا۔ وہ ہر ابھرتی ہوئی تحریک، ہر نئی قیادت اور ہر سیاسی غبار کی طرف لپکتے تھے کہ شاید یہی انہیں منزل تک پہنچا دے مگر جلد ہی مایوسی ان کا مقدر بن جاتی۔ یہ وہ دور تھا جس میں قوم اپنی روحانی بنیاد سے کٹ کر محض وقتی سہاروں کی تلاش میں سرگرداں تھی۔

ایسے عالم میں 29 دسمبر 1930ء کو الٰہ آباد میں ایک آواز اٹھی ایک ایسی آواز جو وقتی سیاست سے نہیں بلکہ قرآنی بصیرت سے پیدا ہوئی تھی۔ اس آواز نے سب سے پہلے یہ حقیقت واضح کی کہ مسلمان محض ایک جغرافیائی یا نسلی گروہ نہیں بلکہ ایک نظریاتی امت ہیں، اور ان کی قومیت کی بنیاد وطن یا زبان نہیں بلکہ اسلام ہے۔ یہی وہ نقطہ تھا جس نے منتشر افراد کو ایک ملت میں بدلنے کی صلاحیت پیدا کی۔ اس فکر نے بتایا کہ اسلام ایک زندہ قوت ہے۔

اس بصیرت کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے سامنے ایک واضح نقشہ رکھا گیا: شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ مسلم مملکت کا قیام۔ یہ محض ایک سیاسی مطالبہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی اور دینی ضرورت کے طور پر پیش کیا گیا ایک ایسا خطہ جہاں اسلام اپنی اصل صورت میں نشوونما پا سکے، جہاں وہ ملوکیت اور تاریخی تحریفات کے اثرات سے پاک ہو کر اپنی حقیقی تعلیمات کو نافذ کر سکے، اور جہاں وہ دنیا کے لیے ایک عملی نمونہ بن سکے۔

چنانچہ چند برسوں بعد یہی تصور ایک اجتماعی عزم میں ڈھل گیا اور 23 مارچ 1940ء کو مسلمانانِ ہند نے اعلان کیا کہ وہ اپنی جداگانہ مملکت قائم کر کے رہیں گے۔ یہ اعلان محض سیاسی نہیں تھا؛ یہ دراصل اپنی شناخت، اپنی تہذیب اور اپنے دینی مستقبل کے تحفظ کا اعلان تھا۔ گویا قوم نے پہلی بار یہ شعور حاصل کیا کہ اگر اسے زندہ رہنا ہے تو اسے اپنی بنیادوں پر کھڑا ہونا ہوگا۔ پھر 14 اگست 1947ء کو وہ لمحہ آیا جب یہ عزم حقیقت بن گیا۔ ایک آزاد مملکت وجود میں آئی ایک ایسا خطہ جس کے

بارے میں تصور یہ تھا کہ یہاں اسلام کو اپنے آپ کو از سرِ نو مرتب کرنے کا موقع ملے گا، یہاں وہ ایک زندہ نظامِ حیات کے طور پر ابھرے گا، اور یہاں سے دنیا کو یہ پیغام جائے گا کہ قرآن محض عبادات کی کتاب نہیں بلکہ ایک مکمل اجتماعی دستور ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے اس موقع کو پہچانا؟

اقبال نے واضح کیا تھا کہ اس مملکت کا اصل مقصد اسلام کی ثقافتی اور عملی زندگی کو ایک مرکز فراہم کرنا ہے ایسا مرکز جو نہ صرف بیرونی حملوں کا دفاع کرے بلکہ فکری اور نظریاتی یلغاروں کا بھی مقابلہ کر سکے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہاں اسلام کو اس کا موقع ملے کہ وہ ملوکیت اور تاریخی انحرافات سے پاک ہو کر اپنی اصل تعلیمات کے مطابق خود کو منظم کرے۔ دوسرے الفاظ میں، پاکستان ایک تجربہ گاہ ہونا تھا جہاں خالص قرآن کی روشنی میں ایک جدید اسلامی معاشرہ تشکیل پاتا۔

اگر ہم دیانت داری سے جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ قیادت کے فقدان اور ملی شعور کی کمزوری نے ہمیں اس منزل سے دور رکھا۔ جن افراد کو اس ریاست کی باگ ڈور ملی، وہ اکثر اس نظریاتی گہرائی سے محروم تھے جس کی ضرورت تھی۔ عوام بھی رفتہ رفتہ اجتماعی مفاد کے بجائے انفرادی مفاد کی طرف مائل ہوتے گئے۔ حالانکہ قرآن واضح طور پر بتاتا ہے کہ قومیں اس وقت بنتی ہیں جب افراد اپنی ذات سے بلند ہو کر اجتماعی بھلائی کو ترجیح دیتے ہیں۔

قرآن ایک بنیادی اصول دیتا ہے: پوری قوم کو ایک جسم، ایک نفس، ایک وحدت بن جانا چاہیے ''مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ... اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں معاشی، لسانی، نسلی اور طبقاتی تقسیم اس حد تک نہ بڑھے کہ قوم ٹکڑوں میں بٹ جائے۔ اگر کوئی خود کو پنجابی، سندھی، بلوچی یا سرحدی سمجھتا رہے مگر مسلمان اور پاکستانی ہونے کی مشترکہ شناخت کمزور پڑ جائے تو یہ اس نظریے کے منافی ہے جس پر اس مملکت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

اسی طرح قرآن یہ بھی سکھاتا ہے کہ انفرادی مفاد کو محدود اور اجتماعی مفاد کو وسیع کیا جائے۔ رزق کے سرچشموں کو اس طرح منظم کیا جائے کہ معاشرے کے تمام افراد کی نشوونما ممکن ہو۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں کوئی طبقہ حد سے زیادہ دولت کا مالک اور دوسرا بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے یہی وہ عدل ہے جو اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔

23 مارچ کا حقیقی پیغام یہی ہے کہ یہ دن صرف ایک قرارداد کی یاد نہیں بلکہ ایک مسلسل ذمہ داری کی یاددہانی ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ قومیں صرف جغرافیے سے نہیں بنتیں بلکہ نظریے، شعور اور مشترکہ مقصد سے بنتی ہیں۔ اگر وہ نظریہ زندہ رہے تو قوم بھی زندہ رہتی ہے، اور اگر وہ کمزور پڑ جائے تو مضبوط سے مضبوط ریاست بھی اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہے۔

آخر میں قرآن کی یہ آیت ہمارے لیے ایک آئینہ ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا اب وہ چاہے شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

پاکستان کا قیام بھی ایک راستے کی نشاندہی تھا۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اسے ایک حقیقی قرآنی معاشرہ بنانے کی کوشش کریں یا اسے محض ایک تاریخی واقعہ بنا کر چھوڑ دیں۔ 23 مارچ کا دن ہمیں ماضی کی عظمت نہیں، مستقبل کی ذمہ داری یاد دلاتا ہے اور یہ ذمہ داری قرآن کی روشنی میں ایک زندہ، عادل اور متحد امت کی تعمیر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیامتِ موجود[1]

طلوعِ اسلام کی ساتویں سالانہ کنونشن، منعقدہ شاہ جمال کالونی لاہور

11 تا 14 اپریل 1963ء

(روئیداد، ماخوذ از طلوعِ اسلام، مئی-جون 1963ء)

پس منظر

کنونشن کا یہ اجلاس بھی گلبرگ ہی میں منعقد ہوا تھا لیکن (شاہ جمال کالونی کے قریب) ایک کھلے میدان میں۔ شامیانوں کے نیچے۔ جلسہ گاہ کی گہما گہمی اور شرکاء کا شوق و ذوق پہلے سے بھی زیادہ تھا۔

پرویزؔ صاحب کا استقبالیہ خطاب:

12 اپریل کی صبح دس بجے اجلاس شروع ہوا اور ابتدائی کاروائی کے بعد پرویزؔ صاحب اسٹیج پر تشریف لائے۔ پہلے مندوبین و مبصرین و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ سامعین منتظر تھے کہ اس کے بعد وہ اپنی تقریر کا موضوع دہرائیں گے اور پھر تقریر شروع کریں گے۔۔ مگر انہوں نے اپنے استقبالیہ کو موضوع سے یوں ہم آہنگ کیا کہ تمہید و موضوع کے درمیان ''گریز'' کا احساس بھی نہ ہونے پایا۔ قرآن کی وابستگی نے اس راقم السطور کو پرویزؔ سے وابستہ کیا ہے۔ لیکن شاید اس رشتہ کی استواری میں ان کی ادبیت اور ''نکتہ رسی اور نکتہ سنجی'' کا بھی خاصا دخل ہے۔ یہ ادب کی اداؤں کا اسیر ہے (آپ کہتے ہیں بری بات ہے .....ہوگی).....اور اسی لئے اس کا ایک فیصلہ ہے، وہ یہ کہ اگر بات میں حسن ہوگا، عظمت ہوگی اور اس بات کی جڑیں دل میں پیوست ہوں گی تو اسلوب خود بخود ادیبانہ ہو جائے گا۔ اسلوبِ تقریر بھی اور اسلوبِ تحریر بھی۔ اس ادبیت کی نمائش عربی و فارسی کے الفاظ کے ذریعہ صاحبانِ محراب و منبر بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ سستی مرصع سازی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے!

یہ خطاب جسے دین و مذہب کی کشمکش کا طویل نام دینے کی جگہ ''قیامت موجود'' کہئے، ایک اعتبار سے نہایت اہم ہے۔

---

[1] سخن زنامہ و میزاں دراز ترگفتی ہزار حیف نہ بینی قیامتِ موجود

جب ہم اسلام کو محض رسوم وعبادات تک محدود دیکھتے تھے تو اُس اسلام سے گریز کرنے کو جی چاہتا تھا۔ پھر علماء نے بھی یہ کہنا شروع کیا کہ دین وسیع تر حقیقت ہے جو حیات کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور مذہب محض شعائر۔۔لیکن اس خیال سے جو دنیا نکتہ اُبھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ کہ اگر پیشوائیت، سیاسیات وعمرانیات سے متعلق اپنے خود ساختہ خیالات سے ''مذہب'' کے دامن کو وسیع کر لے تو پھر بھی مذہب، مذہب ہی رہے گا، دین نہ بن جائے گا۔ دین وہ ہے جو وحیٔ الٰہی عطا فرمائے۔

پرویزؔ صاحب نے ''چراغ مصطفوی ﷺ'' اور ''شرار بولہبی'' کی ستیزہ کاری کی علامتوں کے ذریعہ اس حقیقت کو پیش فرمایا کہ یہ کشمکش سدا سے جاری ہے اور یہی ''دین ومذہب کی کشمکش'' ہے۔ سرمایہ داری اور ملوکیت جیسے مستبد ادارے ہمیشہ مذہب کے سہارے زندہ رہتے ہیں۔ مذہب، جو مفاد پرستیوں کی عقلِ فریب کار کا تراشیدہ بُت ہے اور اس کی گرفت کا راز یہ ہے کہ اپنے عمل ومنشاء کو خدا سے وابستہ کر دیتا ہے اور عوام کے جذبات کی تہذیب کرنے کی جگہ انہیں مشتعل کرتا رہتا ہے۔۔۔ مذہب ہے کیا؟

سود خوار و والی و مُلا و پیر

کے مسلک کا نام ہے۔ یہ مسلک جو عہدِ نوح علیہ السلام سے عہدِ مصطفوی ﷺ تک خدا کے دین سے برسرِ پیکار رہا اور آج بھی یہ ستیزہ کاری جاری ہے۔ اسی مذہب نے انسانوں کو بادشاہوں کے سامنے جھکایا ہے اور یہی پیشوائیت یا تو لادینی حکومت سے خوش رہتی ہے یا پھر مذہبی حکومت سے، جہاں قیصر کا حق قیصر کو ملے اور ملا کا حق ملا کو۔

پرویزؔ صاحب نے جب اپنے خطاب میں مذہب پرستوں کے ہاتھوں ''خدا کا استعمال'' کا ذکر کیا تو..... پاس یگانہ چنگیزی کا یہ نشتر رگ وپے میں اترتا ہوا محسوس ہوا۔

نکل ہی جاتا ہے مطلب تِری قسم کھا کر تو بندگانِ ضرورت کا آفریدہ سہی

دوسرا نکتہ ذہن میں یہ آیا کہ انسانی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رُکاوٹ ''مذہب'' ہے۔ اس خاکدانِ تیرہ میں جب انسان نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا تو اپنے سے قوی تر افراد کو ''نیم خدا'' قرار دیتے ہوئے ان کے آگے سر جھکایا تھا۔ مگر عہدِ تہذیب میں مذہب ہی نے بادشاہ کو ''ظل سبحانی'' بنا کر انسانوں سے اس کی پرستش کرائی۔

دین ومذہب کے فرق کو اپنے خطاب کے ایک مرحلہ میں پرویزؔ صاحب نے اس حسن وروانی کے ساتھ پیش کیا کہ اپنی زبان سے.....محبت کچھ اور بڑھ گئی۔ مدتوں جس زبان نے گل وبلبل اور نگارانِ سمن بر کے فسانے سنا کر محفل کو سلائے رکھا تھا اسی زبان کو سرسید اور ان کے رفقاء نے جرسِ کاروانِ بیداری بنا دیا۔۔ اور آج پرویزؔ اسی زبان کے ذریعہ قرآنی معارف کو پیش کر رہا ہے اور ''شمعِ مذہب'' کو بجھا کر ''خورشیدِ دین'' کا نشان ہمیں دے رہا ہے۔

''دین، عقل کے روغن سے زندگی کی راہوں کو جگمگاتا ہے، عوام کو دلائل وبراہین کے پیچھے چلاتا ہے، خوف کو شرک قرار دیتا ہے۔ زندگی کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی دعوت دے کر ابنِ آدم کو تقدیر شکنی سکھاتا ہے۔ دین زندگی کا تبسم ہے۔ مذہب

موت کی سسکی ہے۔ مذہب، دین کے الفاظ، اصطلاحات اور رسوم ومناسک کو قائم رکھتا ہے مگر ان سے روح چھین لیتا ہے۔''

یہ خطاب کیا تھا ایک ہمہ گیر اور کُل شناس آئینہ تھا جس میں دین کا ہر دل نواز خط نکھر کر سامنے آ گیا۔ اور مذہب کا سارا میک اَپ اُتر گیا۔ یہ مذہب ہی تو ہے جو ''عائلی قوانین'' کے خلاف شور وغوغا مچا رہا ہے۔ لیکن عصمت فروشی، زنا کاری اور دو بالغوں کے درمیان رضا کارانہ مگر ناجائز جنسی تعلق کے باب میں مہر بہ لب ہے۔ اسی مذہب ہی نے تو جداگانہ قومیت کو تسلیم کرنے کے باوجود تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ شہنشاہ اکبر نے عبداللہ ازبک والیٔ ترکستان کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ یہ مولوی اور عالم فرمانروائی میں اپنا حصہ چاہتے ہیں (دین کی خدمت ان کا مقصود نہیں) اکبر کے الفاظ کی صداقت آج بھی اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

نماز جمعہ اور مندوبین:

بارہ بجے یہ خطاب ختم ہوا۔ کتنے ہی لوگ شہر سے آئے تھے۔ وہ دوبارہ شام کو آنے کے لئے رخصت ہوئے۔ مندوبین اور مبصرین نے اس تقریر کے نکات پر بڑی دیر تک گفتگو کی۔ دوپہر کے کھانے پر بھی یہی سلسلہ جاری رہا۔ کھانے کے بعد، ہم لوگ مختلف ٹولیوں میں جمعہ کی نماز ادا کرنے قریب کی مسجدوں میں گئے۔ راقم السطور اچھرہ کی مسجد میں پہنچا۔ طلوع اسلام کنونشن کی بیج سینہ پر آویزاں تھا۔ جب وضو کر رہا تھا تو چند نگاہوں نے یوں گھورا کہ سینہ کی خباثتیں آنکھوں میں آ گئیں۔

نماز کے لئے صف میں کھڑا ہوا۔ ایک صاحب بولے۔ ''پرویزی ہو؟'' اس کے جواب میں عرض کیا۔ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ نماز کے بعد عرض کروں گا۔۔۔۔ نماز کے بعد انہیں کے ساتھ مسجد باہر نکلا۔ اور عرض کیا کہ جناب ہم اور آپ اس دین سے وابستہ ہیں جس نے ہمیں ''مسلم'' کا نام دیا ہے۔ ہم جب اپنے آپ کو محمدی ﷺ بھی نہیں کہتے تو بھلا کسی دوسرے انسان سے اپنے آپ کو کیسے وابستہ کر سکتے ہیں۔ ورنہ اپنے دین کا نام رکھنے کے لئے اُس ﷺ سے زیادہ محترم اور مقدس ذات اور کون سی ہو سکتی تھی جس کی ترکش سے خدا کا گھوارہ نہ تھا۔ انہیں طلوع اسلام کا مسلک تفصیل سے بتایا۔۔ ذہن میں تعصّبات کا گھوارہ نہ تھا، چنانچہ وہ شام کے اجلاس میں نظر آئے۔

کچھ ایسا ہی واقعہ ایک دوسرے ''پرویزی'' کے ساتھ بھی پیش آیا۔۔۔ وہ شاہ جمال کالونی کی مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے تو چند لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

۔۔۔ ''لو سامنے آج پرویزیوں نے بھی ڈیرہ ڈال رکھا ہے''

۔۔۔ ''سنا ہے یہ تین ہی وقت کی نماز پڑھتے ہیں''

۔۔۔ ''اور تو اور۔۔ عام مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے''

اس ''پرویزی'' نے آگے بڑھ کر کہا۔۔ آپ کی اصطلاح میں تو میں بھی پرویزی ہوں مگر آپ کے ساتھ ہی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا ہوں''

احباب نے اس سے پہلے پرویزؔ صاحب سے کہا تھا کہ ہم جمعہ کی نماز کنونشن کے پنڈال میں کیوں نہ پڑھیں--اور انہوں نے مخالفت کی تھی کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا، فرقہ پرستی کو ہوا دینا ہے---اس وقت ان کی بات ہماری سمجھ میں نہ آئی تھی--مگر ان دونوں واقعات کے بعد بڑے دُکھ کے ساتھ سوچنا پڑا، کہ بہتان وتہمت طرازی کو بھی کیا یہ پیشوایانِ ''دین متین'' اپنے ''دین'' کا جزو سمجھتے ہیں۔ (اس کے بعد آپ پرویزؔ صاحب کا خطاب ملاحظہ فرمائیے)

❁❁❁❁❁

قیامتِ موجود

بادہ کشانِ خمکدۂ قرآن کے نام

ساقی! قدحے کہ دورِ گلزار گزشت — مطرب! غزلے کہ وقتِ گفتار گذشت
اے ہم نفس! ازبہرِ زار بگو — افسانہ آں شبے کہ بایار گزشت

یارانِ میکدہ! سلام ورحمت۔

یہ ساعت کس قدر سعید، اور یہ لمحۂ زندگی کیسا درخورِ ہزار تبریک ہے کہ آپ احباب، ایک سال کی طویل مدت کے بعد اپنے ولولۂ شوق کو دلوں میں لئے پھر یکجا ہوئے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے کشاکشِ روزگار سے الگ ہٹ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ خدائے لم یزل کی وہ شمعِ جہاں تاب، جسے صدیوں سے پیرانِ حرم کی مقدس آستینوں نے چراغِ تہ داماں بنا رکھا ہے، کس طرح پھر سے وجہِ نورانیتِ عالم بنے، کس قدر حسین ہیں یہ آرزوئیں، جو آپ کو اتنے دور دراز سفر کے بعد کشاں کشاں یہاں لے آئی ہیں اور کیسا عظیم ہے وہ مقصد جس کے لئے آپ نے یہ صعوبات برداشت کی ہیں۔ میں، جب آپ احباب کے اس، جذب وکیف میں ڈوبے ہوئے اجتماعِ سادہ ورنگین پر نظر ڈالتا ہوں، تو میری نگہِ شوق بے تابانہ پکار اٹھتی ہے کہ

نور ہی نور ہیں در ودیوار — کون سا چاند گھر میں اُترا ہے

برادرانِ عزیز! یہ جو ہم نے وقت کے کارواں سے فرصت کے چند لمحات چھین لئے ہیں، تو آؤ ان میں۔

رسمِ مہر ووفا کی بات کریں — پھر کسی دل رُبا کی بات کریں
سخت بیگانۂ حیات ہے دل — آؤ، اس آشنا کی بات کریں
گیسوؤں کے فسانے دہرائیں — اپنے بختِ رسا کی بات کریں

کس قدر قابلِ صد رشک ہیں زندگی کے وہ لمحات جو رسم مہر ووفا کی باتوں میں گزریں۔

عزیزانِ من ❶ ! علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

ازلی کشمکش:

سوال یہ ہے کہ وہ چراغِ مصطفوی ﷺ کیا ہے جس کے ساتھ ازل سے تا امروز، شرار بولہبی ستیزہ کار چلا آ رہا ہے۔ یہ کون سی کشمکش ہے جس کا سلسلہء دراز، نوع انسان کی پوری تاریخ کو محیط ہے۔ اس تماشہ گاہ میں ہزاروں قومیں آئیں اور چلی گئیں۔ سینکڑوں نظام ابھرے اور بیٹھ گئے۔ متعدد تہذیبوں کے چراغ جلے اور بُجھ گئے۔ لیکن وہ کونسے ایسے حریفانِ ازلی ہیں جن کی باہمی آویزش پر ان تمام تغیرات کا کوئی اثر نہ ہوا، اور ان کی ستیزہ کاری کا سلسلہ، ہر دور اور ہر مقام میں بدستور جاری رہا۔ اور اب تک جاری ہے۔ آپ انسانی تاریخ پر جس قدر بھی غور کریں گے ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ کشمکشِ پیہم -- وستیز مسلسل -- وہ آویزشِ متواتر

دین اور مذہب کی جنگ

ہے جس دن سے شعور انسانی نے آنکھ کھولی ہے، اس جنگ کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت، سرمایہ پرستی وغیرہ بھی انسانیت کے کم دشمن نہیں لیکن اگر آپ ذرا بہ نظرِ تعمق دیکھیں گے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ یہ، اور اس قسم کے دیگر مستبدانہ تصورات اور نظام مذہب ہی کے سہارے قائم رہے ہیں اور جب دین نے مذہب کو مٹایا تو پھر اس کے ساتھ یہ خود بخود مٹ گئے۔ اس لئے اصل کشمکش دین اور مذہب ہی کی ہے۔

مذہب کی چیرہ دستیاں:

مذہب کا تصور، مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ دوسرے انسانوں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کریں اور یہ کچھ اس انداز سے کریں کہ یہ اُنہیں لوٹیں اور وہ اِنہیں دعائیں دیں۔ یہ اُنہیں دھتکاریں اور وہ ان کے پاؤں پکڑیں۔ یہ انہیں بلاجُرم وقصور گالیاں دیں اور وہ گرگڑا کر معافیاں مانگیں۔ یہ بھری محفل میں انہیں بے عزت کریں لیکن وہ اپنے کمرے کی تنہائیوں میں، اپنے دل کے اندر بھی ان کی شان میں گستاخی کا خیال تک نہ لا سکیں۔ یہ اُن سے ہر قسم کی خدمت اور بیگار لینا اپنا حق سمجھیں اور وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل اپنی زندگی کا مقدس فریضہ قرار دیں۔ اِن کے ادنیٰ سے اشارے پر اپنے سینے میں خنجر گھونپ لیں۔ اپنے بچوں کے گلوں پر چھری پھیر دیں، آگ میں کود پڑیں۔ پہاڑ کی چوٹی سے سر کے بل نیچے آ گریں۔ تختہء دار پر ہنسی خوشی چڑھ جائیں۔ اِن کی رتھوں کے آہنی پہیوں کے نیچے آ کر کچلے جائیں۔ یہ اپنے جس حریف کے خلاف چاہیں، انہیں کھڑا کر دیں، اور وہ اتنا جانے اور پوچھے بغیر کہ ہمیں ان کے خلاف کیوں لڑایا جا رہا ہے،

❶ یہ خطاب پرویزؔ صاحب کے مجموعہ مضامین ''بہارِ نو'' میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن پیشِ نظر کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے اس مقام پر درج کرنا بھی مناسب سمجھا گیا ہے۔

ان کی جانیں لیتے اور اپنی جانیں دیتے جائیں۔ وہ خود بھوکے رہیں اور ان کے خادموں کو نعمتیں کھلائیں، اپنے بچوں کو فاقے سے رکھیں اور اِن کے کتوں کو دودھ پلائیں۔ خود ننگے رہیں اور اِن کے پتھروں کو حریر و اطلس کے لبادے پہنائیں۔ آپ خس وخاشاک کی جھونپڑیوں میں زندگی کے دن کاٹیں اور ان کی ہڈیوں کی راکھ پر سنگِ مرمر کی فلک بوس عمارات استوار کریں۔ زندگی میں تو ایک طرف، ان کی موت کے بعد بھی اُن کے دل پر ان کا خوف اس طرح طاری رہے کہ وہ ان کے تصور سے ڈرتے کانپتے، لرزتے، سہمے رہیں۔ غرضیکہ یہ ہر وقت اُن بیچاروں کے اعصاب پر چھلاوے کی طرح سوار اور اُن کے ذہن پر بھوت بن کر چھائے رہیں۔ اور وہ ان کے پنجہ کی آہنی گرفت سے کبھی نکلنے نہ پائیں۔

مذہب کی گرفت:

یہ ہیں، اس مذہب کے چند گوشے جسے مفاد پرست انسانوں کی عقلِ فریب کار نے تراشا اور جسے کمزور اور ناتوانوں کا خون چوسنے کے لئے ایک مؤثر ترین حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت اور سرمایہ داری کا استبداد بھی کچھ کم استخواں شکن اور خون آشام واقع نہیں ہوا۔ لیکن انہیں اپنے غلبہ وتسلط کی زنجیری مستحکم رکھنے کے لئے سینکڑوں قسم کی قوتیں فراہم اور ہزار قسم کے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کب شکار ان کے جال سے نکل جائے۔ لیکن مذہبی دسیسہ کاریوں کا تو یہ عالم ہے کہ اس میں --صید خود صیاد را گوید بگیر-- اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرے تو یہ غلام آگے بڑھ کر اس کا گلا گھونٹ دیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی زنجیر اتفاقاً ٹوٹ جائے تو یہ اُس کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو اپنی مژگانِ عقیدت سے اٹھا کر چومیں اور بصد عقیدت اپنے گلے میں ڈال لیں۔

لوگوں کو جاہل رکھا جائے:

مذہب نے اپنی تمام مہرہ بازیوں اور سحر انگیزیوں کے لئے صرف ایک بنیادی حربہ استعمال کیا اور وہ یہ کہ اُس نے جو کچھ کرنا چاہا، اُسے خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کی ساری گرفت کا راز اسی میں ہے، اس کے لئے، اس نے پیش بندی یہ کی کہ لوگوں کو سوچنے سمجھنے سے دور رکھا جائے اور عقل وفکر کے قریب نہ آنے دیا جائے، کوئی جتنی زیادہ جہالت آمیز باتیں کرے اسے اتنا ہی زیادہ خدا کا مقرب سمجھا جائے۔ جو جس قدر زیادہ بعید از علم وعقل باتوں پر یقین ظاہر کرے، اسے اتنا ہی زیادہ پختہ ایمان والا قرار دیا جائے۔ اربابِ مذہب کی ٹیکنیک ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنے معتقدین کو جہالت کے گڑھے سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ توہم پرستیوں پر ایمان کا مدار، اور عجوبہ پسندیوں کو صداقت کا شعار قرار دیا جائے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقاید پر ایمان لایا جائے تو بلا علم ودلیل، اور اُن کے احکام کی تعمیل کی جائے تو یہ پوچھے بغیر کہ اس سے بالآخر مقصد کیا ہے۔ مذہب کی طرف سے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کے حق میں اس کے پاس ایک ہی دلیل اور ایک ہی سند ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایسا کچھ پیچھے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہمارے اسلاف کا یہی مسلک تھا۔ اگر کوئی شخص مذہب کے پیش کردہ کسی عقیدہ یا مسلک پر اعتراض کرے تو عوام کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا جائے کہ یہ شخص تمہارے اسلاف کی توہین کرتا ہے۔ اور عوام کو بھڑکا کر جس قدر فتنہ

وفساد برپا کیا جا سکتا ہے، مذہب کی تاریخ خونچکاں کا ایک ایک ورق اس پر شاہد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر خوں ریزیاں اور فساد انگریزیاں مذہب کے مقدس نام پر ہوئی ہیں، ہلاکو اور چنگیز کے حصہ میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں آیا ہوگا۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے اربابِ مذہب، اپنے مخالفین کو اس طرح ڈرا دھمکا کر رکھتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف ایک لفظ تک کہنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ مذہب کا سارا مدار عوام کے جذبات پر ہے۔ اس کے لئے وہ اس قسم کے مواقع پیدا اور ایسی تقریبات وضع کرتے رہتے ہیں جن سے عوام کے جذبات میں شدت آتی رہے، اور ان کی یہ آگ بجھنے نہ پائے۔

یہ ہے برادرانِ عزیز اس مذہب کا اجمالی سا تعارف، جو پہلے دن سے آج تک انسانیت کی گردن میں پھانسی کا پھندا بن کر پڑا ہے اور جس نے نوعِ انسان کی نس نس کو اس طرح اپنی گرفت میں لے رکھا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف، ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتی۔

خدا کا دین:

اور یہی ہے عزیزانِ من! اس کی وہ آہنی گرفت جس سے نوعِ انسان کو چھڑانے کے لئے خدا کی طرف سے دین آتا رہا۔ اس دین خداوندی کے پیامبر، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تھے جو مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتے تھے۔ وہ انسانوں کو اس چنگل سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ اور اربابِ مذہب اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کر کے، اُن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس محاذ میں اربابِ اقتدار، ان کی پشت پناہ اور سرمایہ دار طبقہ ان کا حمایتی ہوتا تھا۔ اس لئے کہ خدا کا دین ان کے حق میں بھی تو موت کا پیغام تھا۔ وہ دین کو مغلوب اور مذہب کو غالب رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے، کیونکہ مذہب کے غلبہ میں خود اُن کی ہستی کا راز مضمر تھا۔ دن اور مذہب کی یہی وہ کشمکش ہے جو پہلے دن سے آج تک دنیا کے ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے میں مسلسل اور پیہم چلی آ رہی ہے، اور اسی کو علامہ اقبالؒ چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے انسانیت کے لئے بدترین لعنت اور خدا کا عذاب قرار دیتے ہیں۔ وہ جاوید نامہ میں لکھتے ہیں۔

چار مرگ اندر پئے ایں دِیر میر　　سُود خوار و والی و ملا و پیر

یعنی مذہب کا شجرۃ الزقوم اور اس کی پروردہ شاخیں۔ ملوکیت اور سرمایہ داری۔

دین اور مذہب کی کشمکش:

قرآن کریم، دین اور مذہب کی اس کشمکش کے متنوع گوشوں کو بار بار سامنے لا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ وہ اس کشمکش کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام کی اُس انقلابی دعوت سے کرتا ہے جس کی رُو سے انہوں نے، مذہب کی غیر خدائی قوتوں کی محکومیت میں جکڑی ہوئی قوم سے کہا کہ: یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ (23:23) اے میری قوم کے لوگو! تم، مذہب کے ان اجارہ داروں کی اطاعت اور محکومیت کی زنجیروں کو توڑ دو، اور صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کرو۔

یاد رکھو! اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اختیار کی جائے۔ اس آزادی کی آواز کے خلاف، اربابِ مذہب اور ان کے پشت پناہ اہلِ اقتدار۔۔یعنی مترفین طبقہ کے لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے تھے، یورش کر کے آگے بڑھے۔ انہوں نے عوام کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا کہ: مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِىۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ﴿۲۴﴾ (23:24) جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ تمہارے آباؤ اجداد کے مسلک کے خلاف ہے۔ یہ تمہیں، تمہارے بزرگوں کی روش سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ (23:25) یہ پاگل ہے، اس کی کوئی بات نہ سنو۔

اس کے بعد قرآن کریم نے سلسلۂ انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک کڑی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی دعوت یہی تھی کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گزار بنائے۔ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کی جاسکتی ہے۔ جنہیں وہ (بذریعہ وحی) اپنی کتاب میں دیتا ہے۔ وہ یہ دعوت دیتے رہے اور ان کے خلاف، ہر زمانے میں، اور ہر مقام پر مذہبی پیشوائیت اور اربابِ ثروت واقتدار متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہوتے رہے۔ ان کے پاس عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے ایک ہی سلوگن تھا اور وہ یہ کہ: مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّصُدَّكُمۡ عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُكُمۡ ۚ (34:43) یہ شخص چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے اسلاف کے مذہب سے برگشتہ کر دے۔ اس لئے اٹھو۔ اسے پکڑو۔ حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ (21:68) اسے زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے خداؤں کا بول بالا کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انقلابی آواز:

اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مذہبی پیشوائیت کا اقتدار انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ بنی اسرائیل کے احبار ورُہبان نے ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی تھی، جس میں انہیں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ صرف سزائے موت کے لئے انہیں رومی حکام کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت مظلوم اور مقہور انسانیت کو ان کے اس پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لئے تھی۔ یروشلم کا ہیکل، ان مذہبی پیشواؤں کا مرکز تھا۔ داعیٔ انقلابِ آسمانی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی ہیکل کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے اور انہیں للکار کر کہتے تھے کہ

> اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو، کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ ہی داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔
>
> اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے خشکی اور تری کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔
>
> اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی بھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے

بھرے ہوتے ہو۔

اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔

(انجیل متی، باب:23)

❁❁❁❁❁

ظاہر ہے کہ مذہبی اجارہ دار جو اپنی خدائی مسندیں بچھا کر، عوام کو لوٹتے اور ان پر حکومت کرتے تھے، اس انقلابی دعوت کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ وہ اسے، اپنی مفاد پرستیوں کے لئے کس طرح موت کا پیغام سمجھتے تھے، اس کا اندازہ ان کی اس چیخ و پکار سے لگ سکتا ہے جسے انجیل برنباس میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ۔

مخالفت کیوں؟

> تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ اس جیسے آدمی کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہوگا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے ہم اپنی خدمت سے نکال دیئے جائیں گے تو ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اس وقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ جیسے ہم ان کی شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اس سبب سے ہم قدرت رکھتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کر لیں۔ اگر ہم نے غلطی کی تو ہمارا اللہ رحیم ہے اور قربانی اور روزے کے ساتھ اس کا راضی کر لینا ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہرگز راضی نہ کیا جا سکے گا۔ جب تک خدا کی عبادت (اطاعت) ویسے ہی ہوتی نہ دیکھے جیسی موسیٰ علیہ السلام نے لکھی ہے۔ (انجیل برنباس، صفحہ:142)

آپ نے غور فرمایا کہ اس آسمانی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کی وجہ کیا تھی؟ --بس وہی ایک وجہ! یعنی اگر خدا کا قانون رائج ہو گیا تو ہم اپنی مسندوں سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور چونکہ ہمیں کوئی کام کاج آتا نہیں جس سے ہم اپنی روٹی کما سکیں، اس لئے ہمیں اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگنی پڑے گی۔ آپ نے دیکھا کہ جسے مذہبی سوال کہہ کر پیش کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت یکسر معاشی مسئلہ ہوتا ہے۔

انجیل برنباس کے اس بیان سے آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مذہبی پیشوائیت ہمیشہ اس اندازِ حکومت کو پسند کرتی ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں سیکولر کہتے ہیں۔ یعنی امورِ مملکت حکومت کے پاس رہیں اور امور شریعت (پرسنل لاز) مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ نہ مذہبی پیشوائیت حکومت کے معاملات میں دخل دے اور نہ ہی حکومت ان حیطہء اقتدار میں دخیل ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی دعوت:

اور آخر میں میں اس عظیم و جلیل داعیٔ انقلاب کو دیکھئے جس پر سلسلہء نبوت کا خاتمہ ہو گیا (ﷺ) حضور ﷺ کے ظہور

قدسی کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ: وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (7:157) وہ نوعِ انسان کو ان زنجیروں سے آزاد کر دے گا جن میں وہ جکڑے چلی آ رہی ہے اور ان کے سر سے وہ بوجھ اتار دے گا جس کے نیچے وہ بُری طرح دبی اور کچلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضور ﷺ نے بھی وہی دعوت پیش کی جو حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مسلسل و متواتر پیش ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اور مترفین کے طبقہ کی طرف سے ان کا جواب بھی وہی ملا جو شروع سے ملتا چلا آ رہا تھا۔ یعنی مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖ (38:7) جو بات یہ شخص کہتا ہے، اسے ہم نے اسلاف کے مذہب میں کہیں نہیں سنا۔ لہٰذا اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ (38:7) یہ غلط جھوٹی اور بنائی ہوئی بات ہے یعنی اس کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے یہ بات نہیں کی -- اس کے بعد اس طبقہ کی طرف سے جو کچھ نبی اکرم ﷺ اور حضور ﷺ کے رفقاء کے ساتھ ہوا، اس پر قرآن اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں۔

نبی علیہ السلام کے بعد کیا ہوتا تھا:

اس مقام پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، خدا کا سچا دین انسانوں کو دے جاتے تھے تو اس کے بعد اس دین کے ساتھ کیا بیتتی تھی کہ بعد میں آنے والے نبی علیہ السلام کے وقت، سابقہ نبی علیہ السلام کے پیش کردہ دین کی آواز کہیں سے بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس نبی علیہ السلام کی اولین مخاطب (بالعموم) وہی قوم ہوتی تھی جو اپنے آپ کو سابقہ نبی علیہ السلام کی متبع کہتی تھی۔ پھر یہ کیا تھا کہ آنے والا نبی علیہ السلام اس قوم کے مسلک کو باطل قرار دیتا تھا اور یہ قوم، اس نبی علیہ السلام کی دعوی کی اس قدر شدید مخالفت کرتی تھی۔

ہوتا یہ تھا کہ جب ایک نبی دین خداوندی دے کر چلا جاتا تو اس کے بعد، اس قوم میں ایسے مفاد پرست لوگ پیدا ہو جاتے جو اس دین کو اپنے خیالات کی آمیزش سے، مذہب میں تبدیل کر دیتے لیکن لوگوں سے یہ کبھی نہ کہتے کہ یہ ہمارے خیالات ہیں۔ وہ اسی مذہب کو خدا کی سچی تعلیم کہہ کر پیش کرتے يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (2:79) وہ خود شریعت وضع کرتے اور کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ ایسا کیوں کرتے؟ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط (2:79) تاکہ اس سے کچھ پیسے کما لئے جائیں۔ چنانچہ اس طرح خدا کا دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا۔

مذہب اور دین کا تقابل:

یہ عجیب بات ہے کہ جب دین، اس طرح مذہب میں تبدیل ہو جاتا، تو یہ نہیں ہوتا کہ اس میں کچھ جزوی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں' یا مذہب' دین کی پست سطح کا نام ہو۔ یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کی ضد بن جاتے ہیں اور یکسر ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے مذہب اور دین کا تقابلی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ:

مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔

مذہب میں ہر فرد اپنے اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔

مذہب میں ہر فرد کا منتہی اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔

مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں؟

مذہب عقل کا دشمن اور عقل کا حریف ہے

مذہب، عقل کے دیئے گل کرتا ہے کہ اس کا چراغ جلے

مذہب، اپنے آپ کو اندھی عقیدت کی بناء پر منواتا ہے۔

مذہب، لوگوں کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (2:257)

مذہب کی تلقین یہ ہوتی ہے کہ تم بھیڑ بکریوں کی طرح سر جھکائے، آنکھیں بند کئے پامال راستوں پر چلتے جاؤ۔

مذہب، عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔ اس لئے مذہب ہر زمانے میں نئے نئے بت تراشتا رہتا ہے تاکہ عوام کو بہلائے رکھے۔

مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ

زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز

دین، اجتماعی نظامِ زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔

دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔

دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے

دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں

دین، انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب

دین، عقل کے دیئے میں روغن ڈالتا ہے کہ زندگی کے راستے جگمگائیں

دین، اپنے ہر دعوے کو دلیل اور برہان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

دین، انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (2:257)

دین کا پیغام یہ ہوتا ہے کہ:

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہِ دیگراں رفتن حرام است

دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی پروا نہیں کرتا۔ دین تیشۂ براہیمیؑ سے ہر قدیم اور جدیدیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

دین کا پیغام یہ ہے کہ

زمانہ باتو نسازو تو بازمانہ ستیز

مذہب، انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔

مذہب انسان کو ہر بڑی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہونا سکھاتا ہے۔

مذہب کشمکشِ حیات سے فرار سکھاتا ہے

مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ

بدر یا در منافع بے شمار است
دگر خواہی سلامت برکنارا ست

مذہب، مادی کائنات کو قابلِ نفرت قرار دے کر اسے تیاگ دینے کی تلقین کرتا ہے

یعنی مذہب اس دنیا کو ترک کر دینے سے آخرت کی جنت دلاتا ہے

مذہب، تقدیر کے بہانے انسان کو یکسر بے عمل بنا دیتا ہے

مذہب، کمزوروں، ناتوانوں، مظلوموں کو یہ تعلیم دے کر مطمئن رکھتا ہے کہ یہاں سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے اور راضی برضا رہنا خدا کے مقرب بندوں کی نشانی ہے۔ اس سے مستبد، ظالم اور غاصب قوتیں بے لگام چھوڑ دی جاتی ہیں کہ وہ جی میں آئے کریں۔

مذہب، خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں متبلا رکھتا ہے۔

مذہب، ہر خوشی میں غم کا پہلو دیکھتا ہے اور انسان میں ایسی مایوسیانہ ذہنیت پیدا کر دیتا ہے جس میں اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ

آئے مجھے ہنسی بھی تو میں رو دیا کروں

دین، خوف کو شرک قرار دیتا اور انسان کے دل کو جرات اور بیباکی کا مسکن بناتا ہے۔

دین اُسے دنیا کے ہر آستانے سے سرفرازانہ مستانہ وار گزر جانے کی تلقین کرتا ہے

دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے

دین کی پکار یہ ہے کہ

بدریا غلط وباموجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیزاست

دین مادہ کی تسخیر سے، انسان کو حدود فراموش بلندیوں تک لے جاتا ہے

اور دین اس دنیا کو سنوارنے سے یہاں بھی جنت حاصل کرتا ہے اور وہاں بھی

دین، اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے حرکت و عمل کا شعلہء جوالہ بنا دیتا ہے۔

دین، ظلم و استبداد، سلب و نہب کے خلاف اعلانِ بغاوت کرتا ہے۔ وہ کمزور انسانوں سے کہتا ہے کہ وہ قوانینِ خداوندی کے اتباع سے ایسا نظام قائم کریں جس میں ہر ظالم اور مستبد حق اور انصاف کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائے

دین، اسے وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت بتاتا ہے۔

دین، ہر غم کو خوشی کا پیش خیمہ سمجھتا ہے اور انسان کی نگاہ میں ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ وہ نامساعد حالات کی انتہائی تاریکیوں میں بھی روشنی کی کرن دیکھتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہء خورشید سے

مذہب، کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور سو تیوریاں چڑھانا سکھاتا ہے۔

دین اعلان کرتا ہے کہ: مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (7:32) وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

مذہب، موت کی سسکیاں ہیں۔

دین زندگی کے قہقہے

مذہب، ایک خواب پریشاں ہے۔

دین، زندہ حقیقت

مذہب، ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دیتا ہے

دین کہتا ہے کہ..... زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔

مذہب، انسانی بستیوں کو قبرستانوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دین، قبرستانوں میں صورِ اسرافیل پھونک کر مُردوں کو حیاتِ تازہ عطا کر دیتا ہے۔

مذہبؔ ، انسانیت کی موت ہے
دینؔ ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

دین دمِ جبرئیل ، دین دلِ مصطفیٰؐ
دینؔ خدا کا رسول ، دین خدا کا کلام

دین فقیہہِ حرم ، دین امیر جنود
دینؔ ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

دین کے مضراب سے نغمہء تارِ حیات
دین سے نورِ حیات ، دین سے نار حیات

یہ ہے وہ دین، جو مذہب میں تبدیل ہو کر انسانیت کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔

چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو سچ کے نقاب میں پیش کرتا ہے۔ مذہب بھی یہی کرتا ہے۔ وہ دین کے الفاظ، اصطلاحات، رسوم و مناسک اسی شکل میں قائم رکھتا ہے لیکن ان کی روح نکال دیتا ہے۔ یہی دین کے وہ بے روح خدوخال ہیں جن سے مذہب عوام کو دھوکا دیتا ہے۔ مذہب، درحقیقت دین کی ممی شدہ لاش ہے۔

❁❁❁❁❁

اسلام کے ساتھ یہی کچھ ہوا:

دین کے ساتھ برادران! جو کچھ اقوامِ سابقہ کے ہاتھوں ہوا تھا وہی کچھ اسلام کے ساتھ بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو قرآن کریم میں مکمل کر دیا۔ اور حضور ﷺ نے اس قرآن کو امت کو دے دیا۔ لیکن حضور ﷺ کی تشریف براری کے تھوڑا عرصہ بعد، مفاد پرست قوتوں نے ابھرنا شروع کر دیا۔ اس دفعہ، پہلے ملوکیت آئی۔ اس کے ساتھ سرمایہ داری اور ان دونوں نے اپنے

اصل اشعار میں ''دین'' کے بجائے ''عشق'' کا لفظ ہے۔

تحفظ کے لئے دین کو مذہب میں بدلنا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہ دین بھی آہستہ آہستہ اسی طرح مذہب میں تبدیل ہو گیا جس طرح سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا لایا ہوا دین تبدیل ہوا تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس دین کا ضابطہ ___ قرآنِ کریم ___ اپنی اصل شکل میں محفوظ رہا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا۔ لیکن اس کتاب کا محفوظ رہنا، مذہب کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ چنانچہ اس نے اسے قوم کی زندگی سے عملاً خارج کرنے اور اس طرح اسے ایک ضابطہء حیات کے طور پر غیر مؤثر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد، کسی نبی نے نہیں آنا تھا جو دین کو اس کی اصلی شکل میں پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ کیونکہ دین، قرآن کریم کے اندر منضبط تھا اور قرآن حرفاً حرفاً محفوظ۔

تحریکِ پاکستان:

اس لئے اب دین کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنے کی صورت یہی تھی جو ہمارے زمانے میں تحریکِ پاکستان کی شکل میں سامنے آئی۔ جیسا کہ معلوم ہے، پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی کا رہینِ منت ہے۔ انہوں نے اس مطالبہ کی بنیاد ہی اس حقیقت پر رکھی تھی کہ قرآن کریم مسلمانوں کی عملی زندگی کا ضابطہ اسی صورت میں بن سکتا ہے جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنی اصول و احکام نافذ کئے جا سکیں۔ غیروں کی حکومت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے، دین نہیں رہ سکتا۔ آپ احباب کو معلوم ہے کہ تحریکِ پاکستان کی سب سے زیادہ مخالفت ہمارے مذہب پرست طبقہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ یہ درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کشمکش تھی جو ازل سے تا امروز، باہمد گر ستیزہ کار چل رہی ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

تحریکِ پاکستان کی مخالفت:

مذہب کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت کا پورا اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں رہے اور حکمران طبقہ ان کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی مشینری کا کام دے۔ اس انداز کو تھیاکریسی کہتے ہیں۔ لیکن اگر ممکن نہ ہو تو مذہبی پیشوائیت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت میں ایسا نظام قائم ہو جس میں امور سیاست حکومت کی تفویض میں رہیں اور امور مذہب، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ اسے سیکولر اندازِ حکومت کہا جاتا ہے۔ ہمارے قرنِ اول کے بعد، جب دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا تو مسلمانوں کی حکومتوں کا انداز سیکولر رہا۔ اسی انداز کو انگریزوں نے ہندوستان میں قائم رکھا۔ ان کے عہدِ حکومت میں بھی پبلک لاز، حکومت کی تحویل میں تھے اور پرسنل لاز، ارباب مذہب کے سپرد۔ تحریک پاکستان سے مقصود یہ تھا کہ اس مملکت میں دین کی حکمرانی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں (ملوکیت اور سرمایہ داری کی طرح) مذہبی پیشوائیت کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ دوسری طرف ہندو نے یقین دلایا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد، مملکت کا نظام بدستور سیکولر رہے گا۔ چونکہ یہ انداز مذہبی پیشوائیت کو (SUIT) کرتا تھا اس لئے انہوں نے ہندوؤں سے مفاہمت کر لی --- مذہب اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ایک سے مفاہمت کر سکتا ہے لیکن دین، لاشریک ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کسی سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے عشق بے چارہ نہ مُلا ہے نہ زاہد نہ حکیم

اس لئے تحریکِ پاکستان، جو دین کی بنیادوں پر اُٹھی تھی، نہ ہندو سے مفاہمت کرسکتی تھی، نہ مذہبی پیشوائیت سے۔ چنانچہ جب اس تحریک نے مذہبی پیشوائیت سے مفاہمت نہ کی تو اس نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہیں نشنلسٹ یا (قوم پرست) علماء کا طبقہ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ وہاں ایک مختصر سا گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو مذہب کے نام پر مملکت میں پورا اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ یعنی یہ طبقہ تھیاکریسی قائم کرنے کا متمنی تھا۔ چونکہ دین کی نظروں میں تھیاکریسی بھی ایسی باطل ہے جیسی سیکولرازم، اس لئے تحریک پاکستان، اس طبقہ سے بھی مفاہمت نہیں کرسکتی تھی۔ لہٰذا، یہ طبقہ بھی ___ متحدہ قومیت کے نظریہ کا مخالف ہونے کے باوجود ___ تحریکِ پاکستان کا مخالف تھا۔ یہ طبقہ جماعتِ اسلامی کے نام سے معروف تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ تحریک پاکستان کی کشمکش، کس طرح درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کشمکش تھی جو ازل سے تا امروز ستیزہ کار چلی آ رہی تھی۔

پاکستان بننے کے بعد:

مذہبی طبقہ کی اس قدر مخالفت کے باوجود، پاکستان وجود میں آ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی مخالفین کا یہ لشکر بھی اِدھر اُمنڈ آیا۔ اب وہ کشمکش پندرہ سولہ برس سے یہاں بھی جاری ہے۔ اس طبقہ کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ یہاں قرآن کی حکمرانی نہ ہونے پائے۔ اس کی بجائے یہ چاہتے ہیں کہ اولاً یہاں مذہبی تھیاکریسی قائم ہوجائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس انداز کی سیکولر حکومت قائم ہوجائے جس میں پبلک لاز حکومت کے ہاتھ میں رہیں اور پرسنل لاز مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ چونکہ سیکولر اندازِ حکومت، مغربی ذہنیت رکھنے والے طبقہ کے نزدیک بھی زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے اسے اس معاملہ میں مذہبی پیشوائیت کے ساتھ مفاہمت کرنے میں تامل نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر یہاں اس انداز کی حکومت قائم ہوجانے کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔ وہ طبقہ بھی جو یہاں تھیاکریسی قائم کرنے کا متمنی ہے، سردست ان لوگوں کے ساتھ مفاہمت کرنے پر آمادہ ہے، اگرچہ ان کی آخری منزل تھیاکریسی ہی ہے۔

دستورِ پاکستان

ان حضرات کی یہ کوشش دستور سازی کے سلسلے میں برابر جاری ہے۔ چنانچہ پہلی دستور ساز اسمبلی کے پیش نظر یہ تجویز تھی کہ قانون سازی کے آخری اختیارات ایک علماء بورڈ کے سپرد کر دیئے جائیں۔ یہ تھیاکریسی کی شکل تھی۔ اس لئے یہ حضرات اس پر بہت خوش تھے۔ جب وہ اسمبلی ٹوٹ گئی تو ان کی کوشش سیکولر انداز کی طرف منتقل ہوگئی۔ چنانچہ 1956ء کا دستور جس کے منظور ہونے پر ان حضرات کی طرف سے شادیانے بجائے گئے تھے، اس انداز کا مظہر تھا۔ اس میں پرسنل لاز کو پبلک لاز سے الگ رکھا گیا تھا اور مختلف فرقوں کے وجود کو قانوناً تسلیم کرلیا گیا تھا۔ 1962ء کا آئین اس لحاظ سے 1956ء کے آئین سے بہتر ہے کہ اس میں نہ پرسنل لاز اور پبلک لاز میں تفریق کی گئی ہے اور نہ ہی مختلف فرقوں کے وجود کو تسلیم۔ یہی وجہ ہے کہ

ان حضرات کی طرف سے 1962ء کے آئین کی اس قدر مخالفت ہو رہی ہے اور مطالبہ یہ ہے کہ اس کی جگہ 1956ء کے دستور کا ''اسلامی حصہ'' اس دستور میں شامل کیا جائے۔

عائلی قوانین کی مخالفت

آپ نے برادرانِ عزیز! کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ یہ حضرات، ملک کے تمام قوانین کو چھوڑ کر عائلی قوانین کی تنسیخ کے لئے اس قدر شور کیوں مچا رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ملک میں اس وقت ایسے ایسے قوانین رائج ہیں جو صریحاً اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً زنا کاری قانوناً جائز ہے۔ عصمت فروشی کے بازار ہر شہر میں کھلے ہیں۔ علاوہ بریں ایک بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے بغیر نکاح، جنسی اختلاط قانوناً جرم نہیں۔ آپ نے کبھی سنا ہے کہ ان حضرات کی دینی غیرت نے کبھی ان قوانین کے خلاف بھی جوش کھایا ہو اور انہیں منسوخ کرنے کے لئے انہوں نے محاذ قائم کئے ہوں؟ یہ کیوں ہے کہ ان قوانین کے خلاف ان کی طرف سے کبھی جدوجہد نہیں ہوتی۔ لیکن عائلی قوانین کے خلاف اس قدر قیامت برپا کی جا رہی ہے؟ اس کی وجہ ظاہر ہے، عائلی قوانین پرسنل لاز تھے جو مذہبی پیشوائیت کے تحویل میں چلے آ رہے تھے۔ قرنِ اول کے بعد مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ حکومت ان قوانین کو مذہبی پیشوائیت کے حیطہء اقتدار سے نکال کر حکومت کے دائرہ اختیار میں لائی ہے۔ مذہبی پیشوائیت اسے اپنی حدود حکومت میں دخل اندازی سمجھتی ہے۔ اس لئے وہ اسے کس طرح برداشت کر سکتی ہے؟ یہ وجہ ہے کہ یہ حضرات ان قوانین کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں، ورنہ ان قوانین میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہو۔

آپ کی دعوت:

اس تمام کشمکش میں برادرانِ عزیز! دین خالص کی طرف دعوت دینے والی آواز آپ کی طرف سے اُٹھ رہی ہے، اس لئے مذہبی پیشوائیت کی ساری مخالفت کا رُخ آپ کی سمت ہے۔ کس قدر خوش بخت ہیں وہ لوگ جو دین اور مذہب کی اس کشمکش میں اُس طرف کھڑے ہیں جدھر انبیائے کرامؑ اور قدوسیوں کی وہ جماعتیں کھڑی ہوا کرتی تھیں جنہیں خدا نے حزب اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ یہ حضرات اپنی اس خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کریں، کم ہے۔

سامان وذرائع کی فراوانی:

چونکہ مذہب، ہر نظریہ، ہر تصور، ہر نظام اور ہر ادارہ کے ساتھ مفاہمت کر سکتا ہے اور سرمایہ دار طبقہ اس کا پشت پناہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کے پاس نہ روپے پیسے کی کمی ہوتی ہے، نہ اسباب وذرائع کی محتاجی۔ روپے کے زور پر یہ لوگ پراپگینڈہ کی مشینری پر قابو پا لیتے ہیں اور جھوٹ کو سچ کر کے دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ دین، ان قوتوں میں سے کسی کے ساتھ مفاہمت نہیں کر سکتا۔ اس لئے جو لوگ اس کی دعوت کو لے کر اٹھتے ہیں، ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے

اور مختلف حربے:

پھر مذہب اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہر حربے کا استعمال جائز سمجھتا ہے۔ وہ جھوٹ بولنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ وہ سینٹ پال کے الفاظ میں بڑے فخر سے کہتا ہے کہ

> اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوتی تو پھر مجھ کو گنہگار کی طرح کیوں حکم دیا جاتا ہے۔ (رومیوں کے نام۔ 3/7)

وہ بڑے طمطراق سے فتویٰ دیتا ہے کہ

> راست بازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔
>
> (ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، مئی 1959ء)

وہ تعلیم یہ دیتا ہے کہ دُنیا کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بڑے مقدس اور زریں اصول پیش کرو۔ لیکن جب اس طرح قوت حاصل ہو جائے تو پھر ان تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر عملاً وہ کچھ کرو جس میں اپنا مفاد سمجھو (ترجمان القرآن، مئی 1958ء) اپنے مقصد کے حصول کے لئے اگر رشوت تک بھی دینی پڑے تو اسے کارِ ثواب سمجھو۔ البتہ اس کا نام ''تالیفِ قلب'' رکھو۔

دین کا غلبہ

مذہب ہمیشہ سے یہی کچھ کرتا چلا آیا ہے اور آج بھی یہی کچھ کر رہا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اپنی فریب کاریوں سے دین کو شکست دے سکتا ہے۔ دین، خدا کے اٹل قوانین کا نام ہے۔ اور ان قوانین کا آخر الامر غالب آنا خدائی پروگرام ہے۔ خدا کے پروگرام کو دنیا کی کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن (جیسا کہ آپ احباب کو اچھی طرح معلوم ہے) حق آہستہ آہستہ باطل کے نظام پر غالب آتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس لئے کہ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال، بلکہ پچاس پچاس سال کا ہوتا ہے۔ جن اربابِ نظر کی نگاہیں اُن انقلابات پر ہیں جو اس وقت دنیا کے ہر گوشے میں رونما ہو رہے ہیں (اور جنہیں علامہ اقبالؒ نے ''قیامتِ موجود'' سے تعبیر کیا ہے) اُنہیں نظر آ رہا ہے کہ اب مشیت کے پروگرام کے مطابق، باطل کے نظامہائے زندگی کے مٹنے کا وقت بڑی تیزی سے آ رہا ہے۔ دنیا سے ملوکیت کا دور دورہ ختم ہو رہا ہے۔ ہر نئے سورج کے ساتھ کوئی نہ کوئی تاج فضا میں اڑتا دکھائی دیتا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری، جاگیرداری، حرفِ غلط کی طرح مٹ رہا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہی مذہب کی سحر کاریاں بھی ابخرات کی طرح ہوا میں اُڑتی چلی جا رہی ہیں۔ آپ ذرا غور کریں گے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ انسانی قلوب و اذہان پر مذہب کی جو گرفت آج سے پچاس سال پہلے تھی، وہ بڑی حد تک ڈھیلی پڑ چکی ہے۔

مذہب کا انجام

ہندوستان سے سناتن دھرم بڑی تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ بدھ مت کا مامن ومسکن چین تھا، اُسے وہاں سے دیس نکالا مل چکا ہے۔ تبت ان کے خداؤں (لاماؤں) کا پایۂ تخت تھا، وہ وہاں سے بیک بینی ودوگوش نکالے جا چکے ہیں اور اب اپنی جان کی حفاظت کے لئے دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہودیت، مذہب کو چھوڑ کر، سیاست میں بدل چکی ہے۔ عیسائیت کی قدیم عمارت کا وسطی ستون، پوپ ہے۔ اس نے ابھی پچھلے دنوں جس نئی پالیسی کا اعلان کیا ہے، وہ اس حقیقت کی غماز ہے کہ اس کا اقتدار بھی خطرے میں ہے۔ غرضیکہ مذہب کی دنیا میں آپ جہاں بھی دیکھیں گے آپ کو نظر آ جائے گا کہ

مے خانہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل　　　　بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرافات

جب ساری دنیا میں مذہب کے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ وہ مذہب (دین نہیں، مذہب) جو ہمارے ہاں رائج ہے، باقی رہ جائے گا؟ اس وقت سوال اس مذہب یا اُس مذہب کا نہیں۔ سوال نفسِ مذہب کا ہے، خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ یہ کہنا کہ دوسروں کا مذہب باطل ہے اور ہمارا مذہب حق۔ اس لئے یہ فنا نہیں ہو سکتا، خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں۔ دنیا میں ہر مذہب کے علمبردار یہی کہتے ہیں۔ لیکن مذہب حق پر ہوتا ہی نہیں۔ حق پر تو خدا کا دین ہوتا ہے۔ اب مذہب کا دور ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے مذہبی مفاد پرستوں کی ہزار کوششوں اور مقدس آرزؤں کے باوجود یہ باقی نہیں رہ سکتا۔ علامہ اقبالؒ نے عرصہ ہوا، لیگ آف نیشنز (آنجہانی) کے متعلق کہا تھا کہ

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی تھی　　　　ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن　　　　پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرکِ افرنگ　　　　ابلیس کے تعویز سے کچھ روز سنبھل جائے

جو کچھ انہوں نے لیگ آف نیشنز کے متعلق کہا تھا، وہی کچھ انسانوں کے خودساختہ مذہب کے متعلق نظر آتا ہے۔ اس وقت اربابِ مذہب کے ہاں جذبات کی جو شدت نظر آتی ہے، وہ ان کی حرکتِ مذبوحی ہے۔ اس سے یہ کچھ وقت کے لئے فضا میں انتشار اور معاشرہ میں خلفشار تو پیدا کر سکتے ہیں، اپنی مسندوں کو گرنے سے نہیں بچا سکتے۔ زمانے کے تقاضے انہیں ختم کر کے رہیں گے۔

لاؔ و اِلّاؔ

لیکن برادرانِ عزیز! جب باطل، زمانے کے تقاضوں کے ہاتھوں مٹتا ہے تو اس میں ایک نقص رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ تقاضے صرف باطل کو مٹاتے ہیں۔ اس کی جگہ حق کا نظام ساتھ کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ اِن دونوں کے درمیان ایک خلاء رہ جاتا ہے جسے قانونِ خداوندی کی کائناتی رفتار کے مطابق پُر کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں زمانے کے تقاضے ''اللہ کے نشتر'' ہوتے ہیں جو فصد کھول کر کثیف خون باہر نکال دیتے ہیں۔ لیکن اس کی جگہ صالح خون، ساتھ

کے ساتھ پیدا نہیں کرتے۔ یہ کام ان لوگوں کے کرنے کا ہوتا ہے جو دین کا نظام قائم کرنے کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ وہ وقت، جب زمانے کے تقاضے باطل کے کسی نظام کو مٹا رہے ہوں، ان لوگوں کے لئے بڑا صعوبت انگیز بھی۔ ساز گار تو اس لئے کہ ان کا آدھا کام --یعنی لا الٰہ کا مرحلہ-- زمانے کے تقاضے یا اللہ کے نشتر پورا کر دیتے ہیں۔ انہیں اس ہموار شدہ زمین پر الا اللہ کی عمارت استوار کرنی ہوتی ہے۔ لیکن پُر از صعوبات اس لئے کہ جس طرح ایک ''بھوت'' نکلتے وقت بڑی دہشت انگیز نشانی پیچھے چھوڑتا ہے، باطل کی قوتیں نزع کی حالت میں بڑی سخت لکد کوبی کرتی ہیں۔ بدرؔ و حنینؔ کے درمیان باطل کی قوتوں کے اسی رقصِ ہمل کی یادگار ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس آئینی دور میں، کم از کم پاکستان میں، ان رزمگاہوں کو ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ تھیا کریسی قائم کرنے والوں کے عزائم کچھ اور ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بہت پہلے اپنے پروگرام کا اعلان کر دیا تھا، جب کہا تھا کہ

> اسلام جب اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں! اب تم روئے زمیں پر سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو اور لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔ (خطبات مودودی، صفحہ:235)

طلوعِ اسلام کا پروگرام:

طلوعِ اسلام کا پروگرام اس کے بالکل عکس ہے۔ ہم نہایت پُر امن اور آئینی طریق سے قرآنی فکر کو عام کرتے جانا چاہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمارے پیشِ نظر کوئی پروگرام نہیں ___ حتیٰ کہ ہم ملک کی عام عملی سیاست میں بھی حصہ نہیں لیتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں، کسی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جس قدر سامان و ذرائع کی ضرورت ہے، ہمارے پاس ان کی بے حد کمی ہے۔ لیکن وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ تم دین کی آواز بلند کرنے کے لئے اٹھو تو خدا کی کائناتی قوتیں تمہارا ساتھ دیں گی۔ کچھ اس کا اثر ہے کہ سامان و ذرائع کی اس قدر کمی کے باوجود قرآن کی آواز جس تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے وہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ آپ ذرا دس بیس برس پہلے اُدھر کا نقشہ سامنے لائیے اور پھر آج کی فضا پر غور کیجئے، آپ کو نظر آ جائے گا کہ یہ آواز کس طرح خاموشی ہی خاموشی سے، ہر گوشے کو متاثر کئے جا رہی ہے اور یہ حقیقت کی طرح ایک واقعہ بن کر سامنے آ رہی ہے۔

حُسن کے رازِ نہاں ، شرح و بیاں تک پہنچے آنکھ سے دل میں گئے، دل سے زباں تک پہنچے
دل نے آنکھوں سے کہی، آنکھ نے دل سے کہدی بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

یہ بات کے چل نکلنے کا نتیجہ ہی تو ہے کہ قرآن کی عظمت و صداقت کے معترف تو ایک طرف، اس آواز کے شدید ترین مخالف بھی، اپنے مواعظ اور تقاریر میں، قرآن کی آیات۔ دین کی اصطلاحات اور نظامِ خداوندی کے استعارات، استعمال کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

جناب شیخ ، وضو کے لئے سہی ، لیکن کسی بہانے لبِ جُو نکل ہی آتے ہیں

مغربی ممالک میں آواز

اس سے بھی بڑھ کر خوشی کا مقام یہ ہے کہ یہ آواز اب پاکستان کی حدود سے آگے نکل کر مغربی ممالک میں بھی پھیلتی جارہی ہے۔ پچھلے سال میں نے آپ احباب سے ذکر کیا تھا کہ کس طرح ایک جرمن مصنف نے، اپنی پاکستانی سیاحت کی روئداد کے سلسلہ میں یہ لکھا تھا کہ یہاں ایک ہی تحریک قابلِ ذکر ہے اور وہ طلوع اسلام کی تحریک ہے۔ اب حال ہی میں ایک کتاب ہالینڈ سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کا نام ہے (MODERN MUSLIM QURAN INTERPRETATION) اور مصنف کا نام ہے (J. M. S. BALJON)۔ اس میں فاضل مصنف نے بتایا ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں قرآن کی جدید تعبیرات کی کوششیں کہاں کہاں ہورہی ہیں۔ اس سلسلہ میں اس نے پاکستان سے صرف دو مصنفوں کو منتخب کیا ہے۔ ایک علامہ مشرقی اور دوسرے آپ کا یہ رفیق -- اس نے سلسلہ معارف القرآن اور سلیم کے نام خطوط وغیرہ کا براہ راست (اردو سے) مطالعہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں اِن کے اقتباس پر اقتباس دیئے چلا جاتا ہے۔ وہ میری زندگی کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ۔

پرویزؒ کی خوبی یہی نہیں کہ اس نے قرآنی حقائق کی ایسی عمدہ تشریح کی ہے یا انہیں اس قدر بلند پایہ ادیبانہ انداز سے پیش کیا ہے۔ وہ درحقیقت ایک عمدہ معلم ہے جسے فطرت نے اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ان نوجوانوں کے لئے، جو مذہب سے برگشتہ ہورہے ہیں اور ان کی زندگی کی کشتی کو لنگر کی ضرورت ہے، ایک مشفق دوست ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ وہ جس موضوع پر بھی گفتگو کرتا ہے اس کے متعلق نہایت محکم اور آزاد رائے رکھتا ہے اور نہایت معقول نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ عصر حاضر کے تقاضوں پر بڑی گہری نگاہ رکھتا ہے۔ اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس کا اثر بڑھتا چلا جائے گا۔ (ص:15)

مصر سے آواز:

مصر کے علامہ سید احمد الحسینی کے مضامین کے تراجم، طلوع اسلام کی گزشتہ اشاعتوں میں آپ کی نظروں سے گزرے ہوں گے۔ ان مضامین کی کیفیت یہ ہے کہ اگر ان پر علامہ موصوف کا نام نہ لکھا ہو تو پہچانا نہ جاسکے کہ یہ مضامین خود طلوع اسلام کے ہیں یا ان کا لکھنے والا کوئی اور ہے۔ علامہ سیقیؒ کے علاوہ مصر میں اور علماء بھی ہیں جو اسی نہج سے قرآن پر غور وفکر کرتے ہیں۔ ان ممالک، نیز یورپ اور امریکہ سے مطالبات موصول ہورہے ہیں کہ طلوع اسلام کا لٹریچر انہیں بھیجا جائے۔ چنانچہ اپ میں مغربی ممالک کی اہمیت کے پیش نظر اپنی بیشتر توجہ انگریزی لٹریچر کی طرف دے رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جب قرآن اپنی اصلی شکل میں ان ممالک کے اربابِ فکر ونظر کے سامنے آیا، تو وہ اس کا استقبال آگے بڑھ کر کریں گے۔ وہ اپنے غلط تصورات اور باطل نظامِ زندگی سے سخت تنگ آئے ہوئے ہیں اور کسی جدید نظام کے لئے بے حد مضطرب وبیقرار نظر آتے ہیں۔ مذہب ان کی تسکین نہیں کرسکتا -- بلکہ سچ پوچھئے تو وہ مذہب کے ہاتھوں تنگ آکر ہی زندگی کی کسی نئی شاہراہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور یہ شاہراہ قرآن کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔ کیا عجب ہے کہ اگر ان کے سامنے خدا کا دین اپنی حقیقی شکل میں آجائے تو

جس آدمِ نو کے انتظار میں زمانے کی آنکھ بار بار اُٹھ رہی ہے، اس کی نمود وہیں سے ہو جائے۔ میری تو کیفیت یہ ہے کہ

اسی امید پہ بیٹھا ہوں سرِ راہ گزر ہجر کی رات ہوئی ہے تو سحر بھی ہوگی

قرآن کا مطالبہ:

برادرانِ من! آپ نے قرآن کی آواز کو آگے بڑھانے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کا میرے دل پر خاصا اثر ہے۔ آپ نے سخت نامساعد حالات میں، اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود اس دیئے کو اپنے خونِ جگر سے روشن رکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ قرآن کریم ہم سے جو توقعات وابستہ رکھتا ہے، ہم انہیں کما حقہ، پورا نہیں کر رہے۔ یہ تو اُس کی کشادہ نگہی اور وسعتِ ظرف ہے جو وہ ہمیں اپنے دامن سے جھٹک نہیں دیتا۔ ورنہ حق بات یہی ہے کہ ہم اس کے معیار پر پورے نہیں اتر رہے۔ قرآن کو ہم سے بہت سے شکوے ہیں اور بالکل بجا شکوے۔

نہ جانے کتنے گلے اس میں مضطرب ہیں ندیم وہ ایک دل جو کسی کا گلہ گزار نہیں !

عالمگیر انقلاب

اس کے وابستگانِ دامن کو تو جان اور مال دونوں اس کے ہاتھوں بیچ دینے پڑتے ہیں۔ ہم اس سودے کا بیعانہ تک بھی ادا نہیں کر سکے۔ اس لئے میں آپ احباب سے درخواست کروں گا کہ آپ اس باب میں مزید ہمت کیجئے -- انسانی تاریخ میں یہ وقت بڑا نازک آیا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، قدیم تصوراتِ حیات، اور نظامہائے زندگی کا دور دورہ ختم ہو رہا ہے -- ملوکیت، سرمایہ داری، مذہب، سب ایک ایک کر کے اُٹھتے اور مٹتے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

زمانے کے انداز بدلے گئے نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مداری گیا

زمانے میں انقلابات اس تیزی سے آ رہے ہیں، یا کروٹیں بدل رہے ہیں، لیکن جس اُمت نے ایسے مقام پر کاروانِ انسانیت کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرنی تھی، اس کی اپنی حالت یہ ہے کہ

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ اُمت روایات میں کھو گئی
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اس وقت لآ کی طوفانی قوتیں (کمیونزم وغیرہ) بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ اگر الا اللہ کا تصور اس وقت سامنے نہ

لایا گیا تو انہیں، اس کے بعد، ان کے مقام سے ہٹانے، یا اللہ تک لانے میں نہ معلوم کتنا وقت لگ جائے -- اور انسانیت کو کتنا عرصہ اس جہنم میں گزارنا پڑے، جس میں وہ صدیوں سے پڑی جھلس رہی ہے۔ اس لئے،

ایکہ آسودہ نشینی لبِ ساحل برخیز کہ ترا کار بگرداب ونہنگ است ہنوز

حدی را تیز تر می خواں

قرآن کی تو یہ کیفیت ہے کہ جب اس کی عظمت انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے تو یہ اس میں عجیب وغریب انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ حالات کی ناسازگاری اور زمانے کی مخالفت اس کے جذبہ سرشاری کو تیز تر کر دیتی ہے۔ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ۟ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ (3:172) یہ وہ صاحبانِ عزم ویقین ہیں کہ جب ان سے لوگ کہتے ہیں کہ دشمن نے تمہارے خلاف لشکرِ جرار جمع کر رکھا ہے، اس لئے تمہیں اس سے ڈرنا چاہئے، تو اس سے ان کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور دل کے پورے اطمینان سے کہتے ہیں کہ دشمن کا لشکر بڑا ہے تو ہوا کرے۔ ہمارے ساتھ اللہ کی تائید ونصرت ہے اور یہ وہ قوت ہے جس پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن سے شفیتگی انسان کو کسی مقام پر بھی دل گرفتہ نہیں ہونے دیتی۔ وہاں تو حالت یہ ہو جاتی ہے کہ

مجھ کو اداس کر گیا جب کہ سلوکِ انجمن اُٹھ کے نگاہِ دلبری، ہاتھ مرا دبا گئی

اس لئے برادرانِ گرامی قدر! وقت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیجئے اور قرآنی فکر کی نشر واشاعت کے لئے پہلے سے بھی زیادہ جوش وانہماک کیساتھ مصروفِ عمل ہو جایئے۔

میری بیماری:

میں آپ سے کچھ کہہ رہا ہوں اس میں عزیزانِ من! ایک اور جذبہ بھی کارفرما ہے اور اگرچہ وہ کچھ ذاتی سا ہے لیکن میں اسے اپنے آپ سے خیانت سمجھتا ہوں کہ وہ دل میں بار بار اُبھرے لیکن اُسے زبان تک نہ لاؤں۔ یوں تو میری صحت کبھی بھی اطمینان بخش نہیں رہی، لیکن گزشتہ جنوری، ایک رات، ایک غیر متوقع بیماری کا ایسا شدید اور ناگہانی حملہ ہوا کہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر تکلیف کی شدت اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو میں شاید صبح تک زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ یہ زندگی کی ایک نیا تجربہ تھا جس میں موت محسوس طور پر سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ قرآنی پیغام کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں میرے پیش نظر پروگرام کو جو حصہ ابھی ناتمام ہے، میری للچائی ہوئی بے بس نظریں، اسے بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ طوفانی حملہ بخیریت گزر گیا لیکن اس کے بعد یہ احساس بڑی شدت اختیار کر گیا ہے کہ جو کام میرے سامنے ہے وہ کسی نہ کسی طرح میری زندگی میں تکمیل تک پہنچ جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ آرزو بڑی حسین اور یہ تمنا بڑی معصوم ہے لیکن فطرت کے اٹل قوانین کسی حسین آرزو اور مقدس تمنا کی رعایت نہیں کیا کرتے۔ ہم تو کس حساب شمار میں ہیں، اس باب میں تو اس

ذاتِ اقدس واعظم (ﷺ) تک سے بھی جس کی نظیر دنیا نے پھر نہیں دیکھی، یہ کہہ دیا گیا کہ: وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (13:40) جن انقلابی تبدیلیوں کے متعلق ان لوگوں سے کہا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان میں بعض تیری زندگی میں سامنے آجائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیری وفات اس سے پہلے ہی ہوجائے۔ تمہیں اس کی فکر نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کب رونما ہوتی ہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچاتے جاؤ۔ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس کے نتائج محسوس شکل میں کب سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا یہ تو نہ میں کہہ سکتا ہوں نہ کوئی اور، کہ جو پروگرام میرے پیشِ نظر ہے، اس کی تکمیل میری زندگی میں ہوجاتی ہے یا نہیں۔ لیکن جی ضرور یہ چاہتا ہے کہ کسی حد تک ہی سہی، اس کی تکمیل میرے سامنے ہوجائے۔ آپ احباب نے اس وقت تک میرے پروگرام کی تکمیل کے لئے جس مخلصانہ رفاقت کا ثبوت دیا ہے اس کا گہرا نقش میرے دل پر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے رفقائے سفر ہر رہروِ حیات کے نصیب کرے۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ اس پیغام کو مغربی ممالک تک پہنچانے کے بعد ایک ایسی درسگاہ قائم کی جائے جس میں نونہالانِ ملت کی تعلیم وتربیت خالص قرآنی خطوط پر ہو اور وہ اس قابل ہوسکیں کہ اس چراغ کو بدستور روشن رکھیں۔ اور میں مرتے وقت ان سے کہہ سکوں کہ

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار ازمن! کہ گُل بدستِ تو ازشاخ تازہ ترماند

کس قدر پُرسکون ہوگی ایسی موت، جس پر ہر دیکھنے والا بے ساختہ پکار اُٹھے کہ

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیرِ عشق یافت مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

❁❁❁❁❁

آخر میں عزیزانِ گرامی قدر! میں ایک ایسے نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں جسے اچھی طرح نہ سمجھنے سے کئی ذہنوں میں پریشانی، اور بعض دلوں میں افسردگی تک پیدا ہوجاتی ہے۔ مجھ سے اکثر کہا جاتا ہے کہ ہم اتنے عرصے سے، اس آواز کو بلند کررہے ہیں لیکن لوگ اس طرف بہت کم متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری جماعتوں کو دیکھئے تو ان کے پیچھے لاکھوں افراد نظر آتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے۔ ہماری برسوں کی تگ وتاز سے، گنتی کے افراد ہمارے شریکِ سفر ہوئے ہیں۔ اور مذہب پرست طبقہ کی ایک آواز پر لاکھوں افراد ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اس کی بین وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ پانی کے بہاؤ کے ساتھ تیرتے ہیں اور آپ اس کے چڑھاؤ کی طرف جاتے ہیں۔ وہ لوگ عوام کو انہی باتوں کی دعوت دیتے ہیں جنہیں وہ پہلے سے مان رہے ہیں، اور آپ انہیں ان راستوں پر چلنے سے روکتے ہیں جن پر وہ صدیوں سے آنکھیں بند کرکے چلے آرہے ہیں۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کی طرف خدا کے دو جلیل القدر نبی -- حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ -- مبعوث ہوتے ہیں۔ وہ برسوں تک ان کی تعلیم وتربیت میں اپنا خون پسینہ ایک کردیتے ہیں۔ لیکن

اس کا نتیجہ صرف اس قدر نکلتا ہے کہ: فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ (10:83) ان پر قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔

گوسالہ سامری:

اس کے برعکس سامریؔ انہیں ایک بُت تراش کر دیتا ہے اور ساری قوم اس کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ اس میں سامریؔ کی کاریگری اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اس نے قوم کی نفسیات کا مطالعہ کیا اور گوسالہ پرستی کے جو جذبات ان کے دل کی گہرائیوں میں پہلے سے موجود تھے، ان کی تسکین کا سامان فراہم کر دیا۔ یہی ہر زمانے کا سامری کرتا ہے۔ وہ قوم کی خوئے بت پرستی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ان کے ذوقِ عبودیت کی تسکین کے لئے ایک نیا بت تراش کر دے دیتا ہے اور خود اُس بتکدہ کا پجاری (مہنت) بن جاتا ہے۔ وہ اس بُت تراشی میں بھی ایک پائی اپنی جیب سے خرچ نہیں کرتا۔ وہ قوم ہی کے زیوروں کو ڈھال کر انہیں ایک بُت بنا کر دے دیتا ہے۔ جب تک قوم میں خوئے بت پرستی موجود ہے، کسی بت ساز کو بھی پجاریوں کی کمی کی شکایت نہیں ہوسکتی۔ ہر بتکدہ آباد ہوگا۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ جس بت خانے کا مہنت زیادہ شاطر اور چالاک ہوگا۔ اس میں چڑھاوا زیادہ چڑھے گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں پہلے سے اس قدر خانقاہوں، درگاہوں اور مقبروں کی موجودگی کے باوجود ہر نئی قبر پر کس دھوم دھام سے میلہ لگتا ہے۔ اس میلے کی رونق کا راز، اس قبر کی جاذبیت میں نہیں، بلکہ قوم کی خوئے بُت پرستی میں مضمر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص قوم کے دل سے بت پرستی کے جذبات نکالنا چاہتا ہے اس کی منزل بڑی کٹھن اور اس کے راستے بڑے پُرخار ہوتے ہیں۔ دین اور مذہب کی یہی وہ کشمکش ہے جس میں صاحبِ ضربِ کلیمؑ کا ساتھ تو قوم کے چند افراد دیتے ہیں اور سامریؔ کے پیچھے ساری قوم لگ جاتی ہے۔ یہی چار ہزار سال پیشتر ہوتا تھا اور یہی آج ہو رہا ہے۔ اس لئے برادرانِ من! آپ نہ تو اپنی دعوت کے نتائج کی سُست روی سے گھبرائیے اور نہ ہی سامریانِ عصرِ حاضر کی کامیابی کو ان کے مسلک کی صداقت کی علامت سمجھئے۔ آپ صرف یہ دیکھئے کہ آپ کی دعوت اُس پیغام کی نقیب ہے یا ہیں جسے خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔ اسے قدم قدم پر جانچتے رہئے اور اس کی خاص احتیاط برتئے کہ اس دعوت کی کامیابی کے لئے اگر آپ کا ایک قدم بھی غلط اٹھ گیا تو وہی آپ کی شکست اور ناکامی کا مقام ہوگا۔ اور اسے بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس راستے میں سب سے زیادہ گراں بہا متاعِ سفر اور محکم ترین سامانِ حفاظت، آپ کی سیرت کی بلندی اور کیریکٹر کی پختگی ہے۔ آپ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز، آپ کی اپنی ذات کے ساتھ دیانت اور دوسروں کے ساتھ حسنِ معاملہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر یہ جوہر پیدا کر لئے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی کہ

جہادِ زندگی میں ہیں یہی مردوں کی شمشیریں! دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (2:127)

پرویزؔ

دوسرا اجلاس

پرویزؔ صاحب کا خطاب:

شام کو چار بجے کنونشن کا دوسرا عام اجلاس شروع ہوا۔ اس میں پرویزؔ صاحب کے خطاب کا عنوان تھا۔۔ انسان اور جنگ۔۔ وہ اسٹیج پر آئے۔ حاضرین کی خدمت میں سلام و رحمت کا ہدیہ پیش کیا۔ اور پھر گُل افشانیٔ گفتار یوں شروع ہوئی۔

۔۔''انسان بھی اک طرفہ تماشہ ہے۔ اسے عبادت گاہوں میں محوِ عبادت دیکھ کر آسمان کے فرشتے اس کے ذوقِ عبودیت پر نثار اور حوریں اُس کی جھکی ہوئی پیشانی پر تصدق ہوتی ہیں۔ اور اسے حیرت خانۂ علوم و فنون میں سرگرمِ تحقیق دیکھو تو مہر و ماہ و انجم پر کمندیں ڈالتا، زہر سے تریاق بناتا اور پتھر کو آئینہ میں ڈھالتا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن یہی انسان جب نشۂ نخوت میں چُور اپنے جیسے انسانوں پر بپھرتا ہے تو آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور ایوانِ تمدن خاک بسر نظر آتا ہے۔''

ادب کے طالب علم کے نقطۂ نظر سے اس تمہید کو دیکھئے تو ہر لفظ بقول غالب گنجینۂ معنی کا طلسم نظر آتا ہے۔ اور قرآن کے آئینے میں دیکھئے تو احسنِ تقویم اور ''اسفل السافلین'' کی گرہ کھل جاتی ہے۔ آدمی تو ایسا محشر خیال و عمل ہے کہ ہر تضاد اُس کی ذات میں جمع ہو جاتا ہے۔

اس حسین و نظر نواز و دل کشا تمہید کے بعد پرویزؔ صاحب نے بتایا کہ علم و فن کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان کی تخریب کاری کس طرح بڑھ رہی ہے اور جنگ کے خوف سے سہمی ہوئی اُس دنیا نے لئے قرآن کے دامن میں امن کی کیسی نوید جانفزا ہے۔ یہ دین جس کا نام ہی اسلام ہے، جنگ کے خلاف سب سے بڑی ضمانت ہے۔ قرآن فساد کو بدترین لعنت قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرہ کی سلامتی سے کسی کو کھیلنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ حسن کارانہ انداز میں برائی کو بھلائی میں بدلنے کی کوشش کی جائے، لیکن اگر ضروری ہو تو سزا دی جائے، مگر سزا جرم سے بڑھنے نہ پائے، کیونکہ عدل ایک مستقل قدر ہے۔ ظلم کا بدلہ ظلم نہیں ہے، بلکہ تقاضائے عدل کو پورا کرنا ہے اور اس تقاضے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حصولِ قوت لازم ہے۔ مسلمان تو ہر مظلوم کی حمایت کو اپنا مقصدِ حیات سمجھتا ہے۔

ان تصریحات کے بعد، پرویزؔ صاحب نے فلسفۂ جہاد اور شرائط جہاد کو قرآن کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔ اور قرآن کی روشنی ہی میں بحث کی تکمیل یوں کی کہ جہاد کا مقصدِ اول و آخر ہی یہ ہے کہ ایسا معاشرہ وجود میں آئے جہاں جنگ کا امکان ہی نہ ہو۔ اور جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔ یہ بات نظریاتی وحدت کی بنیادوں ہی پر ممکن ہے۔

میں نے اسلام کے بڑے بڑے نکتہ دانوں کے ماتھوں پر ذکرِ جہاد کے ساتھ پسینہ دیکھا ہے اور گفتگو میں معذرتی

انداز --لیکن پرویزؔ کی تقریر ''اپالوجی'' نہ تھی، فلسفہء جہاد کی تفسیر تھی -- دین پر یہ استحکام اور ایمان قرآن کے چشمہء آبِ حیات کے سوا کسی اور در سے نہیں مل سکتا۔ وہ چشمہء آب حیات جس کی ہر بوند اسوہ حسنہ نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھل گئی -- وہ دین، جسے ہر دین پر غالب آنا ہے، جسے انسانی تفرقوں کو مٹانا ہے، جسے ہر انسان کو معبودانِ باطل کے اقتدار سے نجات دینا ہے۔ وہ جنگاہ میں بھی نظر آئے گا۔

❁❁❁❁❁

مجلس استفسارات

13 اپریل، رات کو ساڑھے 8 بجے ''مجلسِ استفسارات'' شروع ہوئی۔ غالباً یہ مجلس سالانہ کنونشن کے ایک مستقل شعبہ (سیکشن) کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی افادیت سے بھلا کون انکار کرے گا۔ پرویزؔ صاحب کے خطابات تو ہر سال دو تین مخصوص موضوعات پر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کتنے ہی سوالات رفیقوں کے ذہنوں میں نشتر کی طرح چبھتے رہتے ہیں اور وہ اس ساعت کا بے چینی سے انتظار کرتے رہتے ہیں۔ ان سوال کرنے والوں میں وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جو بقولِ خود پرویزؔ صاحب کو ''آ کورڈ سچوایشن'' میں ڈالنا چاہتے ہیں -- ایسے سوالات ہمیشہ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ ''موسیقی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے''؟ آپ فلم کیوں دیکھتے ہیں؟ کیا آپ تین نمازیں پڑھتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

آج کی مجلس کے لئے بیشمار سوالات موصول ہوئے تھے۔ پرویزؔ صاحب نے ڈھائی گھنٹوں میں ستائیس سوالوں کے جوابات دیئے۔ ہر جواب مختصر لیکن مکمل -- اگر ضد نہ ہو اور خُوبری نہ ہو تو یہ جواب کسی مزید وضاحت سے بالاتر ہیں۔ وقت کی تنگی اور سوالات کی تعداد کے پیش نظر جواب دینے سے پہلے پرویزؔ صاحب نے اس بات کو واضح کر دیا کہ انہیں سوالوں کے جوابات دیئے جائیں گے جو اہم ہوں، جن کا عملی زندگی سے تعلق ہو اور جن میں فرقہ واریت نہ ہو۔ پرویزؔ صاحب نے واضح الفاظ میں یہ بات ایک بار پھر کہہ دی کہ -- میں قرآنِ حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ سہو سے بالاتر ہے اور حرفِ آخر ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ بھی براہِ راست کتابِ حکیم کا مطالعہ کریں اور قرآن کی بارگاہ میں خود پہنچ جائیں۔

ان سوالات اور ان کے جواب کا اس مقام پر پیش کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہ سب کچھ فی البدیہہ ہوتا ہے۔ صرف دو ایک سوالات پیش خدمت ہیں۔

سوال: امریکہ اور روس کے نظام میں سے کون سا نظام بہتر ہے؟

جواب: اونٹ سے کسی نے پوچھا۔ چڑھائی بہتر ہے یا اتار؟ اس نے کہا ''ہر دو لعنت'' قرآن کا نظام دونوں سے مختلف

ہے۔ وہ ان میں سے کسی سے سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے شرکت میانہء حق وباطل نہ کر قبول

سرمایہ دارانہ نظام نے خدا کو ظہریہ [1] (EXTRA) بنا رکھا ہے جس کے نام کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ اگر کسی کا خدا پر ایمان ہو تو اس کا نظام غیر خدائی خطوط پر کیسے قائم ہوسکتا ہے؟

سوال: مسلمانوں میں غیر اسلامی رسوم بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں کیسے رائج ہوگئیں؟

جواب: عہد کہن کو چھوڑیئے۔ یہ پچھلے مہینے ہی جو رسم پیدا ہوئی ہے، یہ کیسے پیدا ہوگئی۔ تواتر کے بعد یہی رسم ''دین'' میں شامل ہوجائے گی -- دین ہمیں عقل و براہین کے پیچھے چلاتا ہے اور مذہب عوامی جذبات کے پیچھے چلتا ہے۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات

سوال: فلاں صاحب نے کہا ہے کہ بینک کا سود ''ربٰو'' نہیں ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: میرا خیال نہ پوچھئے، قرآن کا نقطہء نظر پوچھئے۔ سود کا مسئلہ عرصہ سے الجھا ہوا ہے۔ ''بینک کا سود جائز ہے''، ''ناجائز ہے''، ''کمرشل سود جائز ہے''، ''ناجائز ہے''۔ یہ مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں اور پھر یہ سوال کہ بین الاقوامی تجارت اور بینکنگ کا کیا ہوگا؟

آپ اسلامی نظامِ معیشت کا غیر اسلامی نظام کے ساتھ پیوند نہ لگایئے۔ ''ربٰو'' کا ترجمہ ''سود'' اور '' INTEREST'' کرنا ہی بنیادی غلطی ہے -- ہم عجب تضاد کے دور سے گزر رہے ہیں۔ کسی کسان کو ہزار روپے قرض دے دیئے اور دس روپے زاید لے لئے یہ حرام ہے۔ لیکن زمین خود خرید لی اور کسان کو بٹائی پر دے کر اس کی محنت کے ثمرہ سے خود لطف اندوز ہوئے یہ حلال ہے۔ اور پھر ''سلیپنگ پارٹنر شپ'' جی ہاں! انگریزی میں کہہ دیا تو حلال ہوگیا۔ ''ربٰو'' کے معنی ہیں بڑھوتی -- اور قرآن کے فیصلہ ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ (53:39)

ڈھائی گھنٹے میں پرویزؔ صاحب نے ۲۷ سوالوں کے جواب دیئے۔ قرآنی نقطہء نظر، علمی بصیرت اور برمحل و باموقع مزاح نے مختلف سوالوں کو جیسے کسی نے ایک لڑی میں پرو دیا۔ ویسے بھی زندگی ایک وحدت ہے -- ایک اکائی -- ہمہ رنگی میں یک رنگی، کثرت میں وحدت -- یہ ہے زندگی -- زندگی کے مسائل بھی حقیقت شناس ذہنوں سے تابندگی و درخشندگی نہیں چھین سکتے۔ ذہن کی یہ تابندگی مزاح کہلاتی ہے۔ ایمان سے کہئے گا۔ کبھی کسی مولوی کو بھی آپ نے مسکراتے دیکھا ہے؟ -- ذہن کے خیمہ کے لئے مزاح زربفت و کمخواب کی قنات کا درجہ رکھتا ہے۔ اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مذہبِ ملا وفقیہہ میں زربفت و کمخواب حرام

[1] فلم میں ایکسٹرا یا بیک گراؤنڈ کیریکٹر وہ ہوتا ہے جو منظر کو حقیقت پسندانہ بنانے کے لئے پس منظر کے مناظر میں خاموشی سے کام کرتا ہے۔ ان کا کوئی ڈائیلاگ نہیں ہوتا اور وہ کہانی کا اہم حصہ نہیں ہوتا۔ (مدیر)

ہیں۔ وہ انسان جو آگہی کا باب اور مقصودِ عرش ہے، وہ بے چارا حُسن کارانہ زندگی بسر کرنے کا حق بھی نہیں رکھ سکتا۔

اگر کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ پرویزؔ صاحب کو قرآن پر کس قدر عبور حاصل ہے، فطرت نے ان کی نگاہ میں کس قدر وسعت، ذہن میں کس قدر جودت اور الفاظ پر کسقدر رقدرت عطا کی ہے تو میں ان سے کہوں گا کہ وہ ان کی ایک مجلسِ استفسارات میں شریک ہو جائیں، اس کے بعد انہیں کسی دلیل اور شہادت کی ضرورت نہیں رہے گی۔

❁❁❁❁❁

آخری اجلاس

14 اپریل کی شب کے کھلے اجلاس میں پرویزؔ صاحب کے خطاب کا موضوع تھا۔۔ ''انسان کے بنیادی حقوق''۔۔ اس خطاب میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ انسان نے مختلف ادوار میں اپنے لئے کیا حقوق مانگے۔ انسانوں نے انسانوں کو کیا حقوق دیئے۔ اور قرآن کیسے اہم عظیم اور انسانیت ساز حقوق عطا کرتا ہے۔ قرآنی ریاست کا معاہدہ عمرانی یہ ہے کہ انسان اپنی جان و مال خدا کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور خدا اسلامی معاشرہ کے ذریعہ انسانوں کو ''الجنۃ'' سے نوازتا ہے۔ اس اصطلاح میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی انسان آرزو کرتا ہے۔

اسلامی ریاست میں انسانوں کے اہم بنیادی حقوق کی ایک ایک کر کے پرویزؔ صاحب نے تشریح کی ''یہ حقوق کیا ہیں؟'' ''احترام آدمیت''۔ ''جنسی مساوات''۔ ''اعمال و کردار کی بنیاد پر مراتب کا تعین''۔ ''حقِ آزادی''۔ ''محنت کا حق''۔ ''عدل''۔ ''احسان''۔ ''رزق کا حق''۔ ''جان اور عصمت کا تحفظ''۔ ''حقِ نکاح''۔ ''ذوقِ جمال کی تسکین''۔ ''مذہبی آزادی''۔ ''سچی بات کہنے کا حق''۔ ''مظلوم کو فریاد کرنے کا حق''۔ ''رازوں کی حفاظت کا حق''۔ ''حیثیت عرفی کا حق'' اور ''خوف و حزن سے آزادی''۔۔ ایک ایک شق پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا کہ وحیء الٰہی انسانوں کے راستوں کو کس طرح منور کرتے ہے۔ انسان تجربات سے گزرتا ہوا اس منزل تک آیا ہے کہ چند بنیادی حقوق کا اسے احساس ہوا ہے۔ مگر ''ذوقِ جمال کی تسکین''۔ ''عدل''۔ ''احسان'' اور ایسے ہی کتنے حقوق ابھی تک اس کی ذہنی دسترس سے باہر ہیں۔۔ (ان کی تفصیل پرویزؔ صاحب کے خطاب میں ملاحظہ ہو جو ان کے مجموعہ مضامین۔۔ ''بہارنو''۔۔ میں چھپ چکا ہے)

پرویزؔ صاحب کے اس خطاب کو سنتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے کان، آنکھیں بن گئے ہیں جو قرآنی معاشرہ میں ان حقوق کو محسوس طور پر دیکھ رہے ہیں۔ اور جیسے ''لیلائے حق''، محملِ تقریر میں جاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ پرویزؔ کا کمال نہیں، قرآنِ حکیم کا اعجاز ہے جو اپنے وابستگانِ دامن کو اپنے کرمِ بے حساب سے نوازتا ہے۔ قرآن کی بارگاہ میں اپنے دل کو لوحِ سادہ کی طرح پیش کرنے والوں کو خدائے ذوالجلال اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جہاں ان کی فکر سے ہر گوشہء حیات، دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش کی طرح چمک اُٹھتا ہے۔ اور زندگی کے موسم میں ان کی تحریر و تقریر سے اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ قرآنی افکار کی ادنیٰ سی

چھوٹ آدمی کو علم وفکر کا شہر یار بنا دیتی ہے اور ہر لفظ میں مکتبِ خیال کی وسعتیں سمٹ آتی ہیں۔ ذرہ میں صحرا اور قطرہ میں دجلہ دکھائی دینے لگتا ہے۔۔کانٹے، جلوہ گل کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔سب سے بڑی چیز یہ اندازِ نظر ہی تو ہے جو اقدار کو جنم دیتا ہے۔

نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود — ایں زمین و آسماں دیگر شود

قرآن اپنے طالب علموں اور عاشقوں کو اس سطحِ بلند پر پہنچا دیتا ہے جہاں ان کے بارے میں بیساختہ زبان کہہ اٹھتی ہے کہ

آواز جاں نواز ، ترنم جہاں فروز — تیور تمام ساز ، تکلم تمام سوز
دانش مہِ دو ہفتہ ، نظر مہرِ نیم روز — تقریر فہم باف ، خموشی خیال سوز

یہی وہ کتابِ عظیم ہے جس نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی زبانِ مبارک کو وحی الٰہی کا لباسِ کامل بنا دیا تھا۔اور سقراط و ارسطوعرب کے اس ''اُمی'' کے مکتب کے ''طفلِ ناداں'' معلوم ہوتے تھے۔یہی وہ کتابِ مقدس ہے جس نے عربوں کو علوم وفنون کی نشاۃ الثانیہ کا وسیلہ بنا دیا۔

۞۞۞۞۞

الوداعی اجلاس

پیرِ مغاں کا الوداعی پیغام

الوداعی اجلاس میں پرویزؔ صاحب اپنے رفیقوں کو الوداع کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے فرمایا ''میری صحت ویسے تو کبھی تسلی بخش نہ تھی ،لیکن اس جنوری کی ایک رات کو جب موت محسوس شکل میں اپنے سرہانے کھڑی نظر آئی تو میری آرزوئیں بے بس نظر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔۔آرزوئیں جو ذاتی نہ تھیں۔پہلی آرزو مفہوم القرآن کی تکمیل، دوسری آرزو آپ سے ایک بار پھر ملنے کی تمنا اور تیسری آرزو ایک درسگاہ کا قیام، جسے میں مدت سے اپنے دل میں پال رہا ہوں۔ایک ایسی چھت کی خواہش جس کے تلے میں اپنی قوم کے بچوں کو لے کر بیٹھ سکوں اور قرآنی خطوط پر انہیں تعلیم دی جا سکے۔ان بچوں کے ساتھ میری یہ محبت جذباتی نہیں ہے۔آپ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کل کر چکے ہیں۔اگر ہم ان کی تربیتِ ذہنی کا انتظام کر سکیں تو یہ کائنات کس طرح جگمگا اُٹھے۔

''میں اس تمنا کو ہونٹوں تک نہ لاتا تھا کہ شاید یہ ہماری بساط سے بڑھ کر ہے۔مگر آج آپ نے اس تمنا کو حقیقت میں بدلنے کا آغاز کر دیا ہے۔میں اپنی اس سعادت پر جس قدر ناز کروں' کم ہے کہ آپ جیسے رفیق مجھے نصیب ہوئے ہیں۔آپ کے ہاتھوں ایسی درسگاہ کا قیام عمل میں آئے گا جو اس دور میں قرآنی فکر کا مینارہء نور ہوگی۔آپ جب اگلے سال تشریف لائیں گے تو دیکھیں گے کہ آپ کا عزم عمل کے مرحلوں سے کس تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے۔

اچھا رفیقو!۔۔ الوداع ۔۔آپ جا رہے ہیں۔خدا حافظ! میں سال بھر آپ کے نقوشِ پا سے باتیں کرتا رہوں گا۔

’’کنونشن سے چند دن پہلے جب میں 29 ویں پارے کا مفہوم لکھ رہا تھا تو وہ آیتِ قرآنی سامنے آئی تھی جس میں حضور محمد مصطفیٰ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ جب تم قرآن اُن کے سامنے پیش کرو گے تو یہ آنکھیں نکال کر اور یوں گھور کر دیکھیں گے کہ تم اپنے مقام سے پھسل پڑو۔ یہ ہے ان کی تمنا۔۔لیکن جب تم استقامت کے ساتھ اپنے مقام پر کھڑے رہتے ہو تو یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ تو دیوانے ہیں۔

’’رفیقو! ایسی دیوانگی پر ہزار فرزانگی نثار۔ ہم اس دیوانگی کو اپنی نجات کے لئے سند سمجھتے ہیں۔ اس تمغہ سے اللہ کے عظیم ترین رسول ﷺ کو نوازا گیا تھا۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں بھی اس سنتِ نبوی ﷺ کے اتباع کی سعادت نصیب ہوئی۔

برادرانِ منِ! آپ کے لئے میرا الوداعی پیغام یہی ہے کہ قرآن حکیم سے ایسی شیفتگی پیدا کیجئے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر کہہ اٹھیں۔۔’’یہ ہیں قرآن کے دیوانے‘‘ شعائرِ اسلام اور ارکانِ اسلام کو اختیار کیجئے۔ یہ ارکان ’’قیام نظامِ صلوٰۃ‘‘ کا اشارہ ہیں۔ یہ ہمیں اپنے مقصدِ جلیلہ کی ہر دن یاد دہانی کراتی ہیں۔

اللہ آپ کو سیرت اور کردار کی وہ بلندی عطا فرمائے کہ آپ کے کردار سے معاشرہ اسلامی رنگ میں ڈوب جائے۔ رب ذوالجلال والاکرام آپ کی آرزوؤں کو کامگار فرمائے‘‘

یوں طلوعِ اسلام کی ساتویں کنونشن ختم ہوئی۔۔یہ کنونشن جو آٹھویں کا پیش خیمہ ہے۔۔جن نے قرآنی درس گاہ کو خیال سے عمل کی دنیا میں پہنچا دیا۔ جس کی تقریریں اور خطابات چراغِ راہ کی طرح روشنی دکھاتے رہیں گے۔۔اس کنونشن پر اس تبصرہ کے ساتھ میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں کہ

ان میں لہو ہمارا جلا ہو کہ جان و دل محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (2:127)

❁❁❁❁❁

سانحہ ارتحال

انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ بزمِ طلوعِ اسلام سوات کے ایک مخلص، دیرینہ رفیق، جناب نور محمد صاحب (ساکن: مینگورہ) طویل علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم ابھی ضعیف العمر بھی نہ تھے، مگر کینسر جیسے مہلک مرض نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ مرحوم کی قرآنی فکر سے گہری وابستگی اور اخلاصِ کامل ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ان کی خدماتِ جلیلہ بزمِ طلوعِ اسلام کے لیے ایک عظیم امتیازی نعمت تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرمایے، درجاتِ بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل و حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ ادارہ طلوعِ اسلام ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

خورشید انور (چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقتدار کی کشمکش قرآنی تصورِ حاکمیت کی روشنی میں

اسلام ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشے، فردی، اجتماعی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی، کے لیے واضح اصول فراہم کرتا ہے۔ قرآنِ کریم جس بنیادی تصور پر پورے اسلامی نظام کی عمارت استوار کرتا ہے، وہ حاکمیتِ الٰہیہ کا تصور ہے۔ یہی تصور اسلامی فکر کو تمام انسان ساختہ نظاموں سے ممتاز کرتا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، مگر اس کے باوجود ملکی سیاست مسلسل اقتدار کی کشمکش، ادارہ جاتی تصادم اور اخلاقی زوال کا شکار نظر آتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اصولی طور پر حاکمیت اللہ کی ہے تو عملی سطح پر یہ بحران کیوں موجود ہے؟ اس مقالے میں اسی سوال کا جواب قرآنی تصورِ حاکمیت کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآنی تصورِ حاکمیت: ایک غیر متبدل اصول

قرآنِ کریم کا ایک بنیادی اور غیر متغیر اصول یہ ہے کہ حکم اور اقتدار کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی فرد، گروہ، طبقے یا ادارے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے قانون سازی کرے یا حلال و حرام کا تعین کرے۔ اس حقیقت کو قرآنِ کریم نہایت صراحت سے یوں بیان کرتا ہے:

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ (سورۃ یوسف:40)

حکم اور فیصلہ اللہ کے سوا کسی کا نہیں۔

یہی حقیقت کلمۂ توحید لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں سمٹ آتی ہے۔ یہ محض ایک عقیدہ یا زبانی اقرار نہیں بلکہ ایک انقلابی اعلان ہے کہ انسان کسی غیر اللہ کے سامنے سرِ اطاعت نہیں جھکا سکتا۔ اطاعت، وفاداری اور محکومیت کا حق صرف اللہ کے قوانین کو حاصل ہے۔

یوں توحید انسان کو ہر قسم کی فکری، سیاسی اور معاشرتی غلامی سے نجات دے کر ایک باوقار، آزاد اور ذمہ دار شخصیت میں ڈھالتی ہے، ایسی شخصیت جو اللہ کے قانون کے تحت عدل، توازن اور فلاح کی ضامن بنتی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اللہ کی حاکمیت اور اسلامی ریاست کا تصور

اگرچہ حاکمیت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے، مگر قرآن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اس حاکمیت کے عملی نفاذ کے لیے ایک منظم، بااختیار اور اجتماعی نظام ناگزیر ہے۔ یہی نظام قرآنی اصطلاح میں اسلامی مملکت یا اسلامی نظامِ حیات کہلاتا ہے۔

تاریخِ انسانی میں اس نظام کی پہلی عملی مثال رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی۔ آپ ﷺ اس نظام کے سربراہ تھے، مگر آپ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت تھی، کیونکہ آپ ﷺ ذاتی خواہش یا صوابدید سے نہیں بلکہ وحیِ الٰہی کے مطابق فیصلے نافذ فرماتے تھے۔ اسی حقیقت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (سورۃ النساء:80)

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد یہی نظام خلافت کی صورت میں جاری رہا، جسے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کہا جاتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین اپنی مکمل صورت میں محض انفرادی عبادات تک محدود نہیں بلکہ ایک اجتماعی، قانونی اور سیاسی نظام کا تقاضا کرتا ہے۔

عبادت اور حکومت: قرآنی اصطلاحی ہم آہنگی

قرآنِ کریم میں ''عبادت'' اور ''حکومت'' دو الگ الگ تصورات نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ عبادت کا اصل مفہوم محض ظاہری پرستش نہیں بلکہ اطاعت اور محکومیت ہے۔ سورۃ یوسف میں فرمایا گیا:

اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ

اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کرو۔

اسی سورت میں اس سے پہلے فرمایا گیا: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

سورۃ کہف میں عبادت اور حکم کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، جہاں فرمایا گیا کہ:

''وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا'' (26:18) اور

''اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو'' (110:18)

اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے یہ کہنا کہ: اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

اور فرعونی قوم کا یہ کہنا: وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ (23:47)

یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ قرآن میں عبادت کا مفہوم سیاسی اور سماجی محکومیت تک پھیلا ہوا ہے۔

غیر اللہ کی حاکمیت: قرآنی فیصلہ

قرآنِ کریم اس معاملے میں کسی ابہام کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (سورۃ المائدہ:44)

جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، وہی کافر ہیں۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر مطمئن ہونا اور اللہ کے قانون کو پسِ پشت ڈال دینا، خواہ اس نظام کا نام جمہوریت ہو یا کوئی اور، اسلام نہیں بلکہ قرآن کی اصطلاح میں کفر ہے۔

اقتدار کی کشمکش: اصل سبب

اگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حاکمیت اللہ کی ہے، تو پھر اقتدار کی یہ شدید رسہ کشی کیوں؟

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کی حاکمیت کو محض آئینی نعرہ بنا دیا گیا ہے۔ عملاً ہم انسانوں، اداروں اور مفادات کی حاکمیت کو تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ قانون سازی پارلیمانی بالادستی کے نام پر ہوتی ہے، فیصلے قرآنی عدل کے بجائے سیاسی مصلحتوں سے کیے جاتے ہیں، اور اقتدار کو امانت کے بجائے غنیمت سمجھا جاتا ہے۔

امانت کا قرآنی اصول اور اس کا فقدان

قرآنِ کریم اس بحران کا حل بھی پیش کرتا ہے، ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ (سورۃ النساء:58)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرو۔

حکومت اللہ کی امانت ہے، اور یہ صرف انہی افراد کے سپرد ہونی چاہیے جو دیانت، اہلیت اور عدل کے معیار پر پورا اترتے ہوں۔ جب یہ امانت نااہل ہاتھوں میں چلی جائے تو نتیجہ لازماً ظلم، فساد اور انتشار کی صورت میں نکلتا ہے۔

المختصر

قرآنِ کریم کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ:

- حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔
- عبادت کا مفہوم اللہ کے قانون کی اطاعت ہے۔
- اسلامی نظام کے بغیر دین نامکمل ہے۔
- غیر اللہ کی حاکمیت پر مطمئن ہونا اسلام نہیں کفر ہے۔

لہٰذا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اصل جدوجہد افراد یا جماعتوں کے اقتدار کی نہیں بلکہ قرآنی نظامِ حاکمیت کے قیام کی ہونی چاہیے۔ جب تک ہم انسانوں کے خودساختہ نظاموں سے نجات حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطۂ حیات کو عملاً نافذ نہیں کریں گے، اقتدار کی کشمکش، سیاسی انتشار اور قومی زوال ہمارا مقدر بنا رہے گا۔

علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب المراسلات

لیلۃ القدر کا قرآنی مفہوم اور اہمیت

آج رمضان کے اکیسویں روزہ کے ساتھ آخری عشرے کا آغاز ہو گیا ہے اور لوگ لیلۃ القدر کی آمد اور اُس کے منانے کے پروگرام بنا رہے ہیں۔ لہٰذا مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں احباب کے سامنے اس کا ایک تحقیقی، علمی اور منطقی اصولوں پر مبنی ایک مُمکنہ مفہوم بھی رکھ دوں، جس کا میں نے مُحترم پرویز صاحب کے دئے گئے ہفتہ وار دروس القرآن سے اختصار سے انتخاب کیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾ (97:1)

ہم نے قرآن کے نزول کا آغاز اس تاریکی والے دور میں کیا، جب ساری دنیا وحی کی روشنی میں دی گئی اقدار سے محروم تھی۔

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ تاریکی میں چیزوں میں امتیاز نہیں رہتا، گدھا گھوڑا اور نشیب و فراز سب برابر ہوتے ہیں۔ ایسے دور میں جب تاریکی کی وجہ سے چیزوں میں امتیاز ختم ہو جاتا ہے، تو امتیاز کرنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ روشنی اقدار خداوندی ہیں، جن کا مقصد ہی یہ بتایا کہ: الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۱﴾ (14:1)

’’ہم نے یہ قرآن اس لئے دیا تا کہ تو اپنے نشوونما دینے والے رب کے طریق کے مطابق انسانوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔ (14:5-43:33) اور اُن کے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق، اُنہیں اللہ کے تجویز کردہ راستے پر ڈال دے جو جلال و جمال اور حُسن و قوت کا مالک ہے۔ (1:64)

یعنی نزولِ قرآن کے وقت انسانیت تاریکی میں تھی، قرآن کریم کی راہنمائی انہیں روشنی میں لے آئی۔ اس جہت سے، اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کو جس میں قرآن دُنیا کو ملا، لیلٌ کہہ کر پُکارا ہے۔ یعنی وہ دور جس میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ روشنی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ پھر، روشنی کی تکمیل اس طرح سے ہوئی کہ رات کا کوئی حصہ باقی نہ رہا۔ اور اب قرآن کے فرمان کے مطابق

5۔ سَلٰمٌ ۟ هِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۧ﴿۵﴾ (97:5)

امن و سلامتی کی فضا عام ہوتی جائے گی حتیٰ کہ تاریکیاں دور ہو جائیں گی، اور آخر الامر، زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ (69:39، 6:83)۔

لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ: اگر کوئی پوچھے کہ ایک فقرے میں بتاؤ کہ قرآن نے انسانیت کو کیا دیا ہے، تو جواب میں قرآن ہی کا فقرہ ہے اِنَّاۤ

اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾ قرآن نے انسانیّت کو مستقل اقدار Permanent Values دی ہیں، جو انسان کو انسان بناتی ہیں۔

اَلۡقَدۡرِ: حیوانی سطح پر اقدار Values نہیں ہوتیں۔ حیوانوں کے سامنے تو صرف ان کے طبعی تقاضے ہوتے ہیں۔ اقدار Values صرف انسانیّت کی سطح پر آتی ہیں۔ حیوان کے سامنے جو بھی کھیت یا چراگاہ آئے گی وہاں سے پیٹ بھر لے گا۔ وہ اس بات کا تصوّر ہی نہیں کرسکتا کہ جہاں سے چر رہا ہوں، وہ کسی دوسرے کا کھیت ہے یا کسی دوسرے کی چراگاہ ہے، کیونکہ اس کا مقصد تو صرف اپنا پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔ جائز و ناجائز، ثواب و گناہ، صحیح و غلط، حلال و حرام، میرا اور تیرا کا امتیاز انسانی دنیا میں ہے۔ ان ہی امتیازات کو اقدار یا Values کہا جاتا ہے۔

لٰہذا القدر سے مراد وہ اقدار Values ہیں، جو خدا نے انسان کو انسان بنانے کے لئے قرآن میں محفوظ کر دی ہیں۔ اقدار خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے، انسان کی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے اور انسانی ذات اخروی زندگی میں مزید ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

جہاں تک دوسرے لفظ ''لیل'' کا تعلق ہے تو دن روشنی کا نمائندہ ہوتا ہے، جبکہ لیل یعنی رات تاریکیوں کی نمائندہ ہوتی ہے۔ لیل کے معنی تو یہی رات ہوتی ہے، جس میں ہم نیند بھرتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ قرآن رات ہی میں نازل ہونا شروع ہوا ہو، لیکن یہاں ''لیل'' زیادہ وسیع تر مفہوم لئے ہوئے ہے، کیونکہ نزول قرآن سے پہلے دنیا پر تاریکیاں ہی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ عربوں کی طرف تو حضرت اسماعیل کے بعد کوئی نبی آیا ہی نہیں تھا۔ حضرت اسماعیل نے جو تعلیم پیش کی تھی، اس کو عرب بھلا چکے تھے۔ حضرت اسماعیل کو گزرے ہوئے بھی ایک بہت لمبا عرصہ گزر چکا تھا۔ دوسری اقوام کی طرف انبیاء کرام آتے رہے، لیکن وہ تمام، اپنے انبیاء کی تعلیم کو نہ صرف بھلا چکے تھے، بلکہ مسخ بھی کر چکے تھے۔

نزول قرآن کے وقت دنیا میں اقدار خداوندی کہیں موجود نہ تھیں، اور اگر کہیں کوئی اکّا دکّا تھیں بھی تو ان پر انسان عمل نہیں کر رہا تھا۔ لٰہذا ''لیل'' سے مراد وہ تاریک دور ہے، جسمیں اقدار خداوندی موجود نہ تھیں۔ انسانیّت پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

فیس بُک پر درجِ بالا پوسٹ کو طویل اور سنجیدہ ہونے کے باوجود احباب کی طرف سے بھرپور تحسین وتعریف کے پیغام وصول ہوئے اور درجن بھر احباب نے اِسے اپنے اپنے احباب کو شیئر بھی کیا۔ اس پر معمول کے مطابق کُچھ اعتراضات بھی کئے گئے۔ جن میں زیادہ تر اسے بغیر اسلاف کی سند سے نئے معانی پہنانے کے مترادف کے الزام سے گردانا گیا۔ لٰہذا ان اعتراضات کی نمائندگی میں یہ اعتراض درج کر کے سبھی کے سوالات کا احاطہ کیا جا رہا ہے۔

اعتراض:

اب دیکھیں پرویز صاحب کی یہ تفسیر جو انہوں نے لیلۃ القدر کو تاریک دور کہا ہے لیلہ رات کو کہتے ہیں القدر عزت والی۔ آگے یہ بھی کہا ہے وہ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس رات عبادت کرنے کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی ہے اور وہ آخری عشرے میں ہے، جن لوگوں کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا اور جن کی مادری زبان میں نازل ہوتا تھا انہوں نے یہ تفسیر نہیں کی اور پرویز صاحب یہاں لیلۃ القدر کی وہ تفسیر کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نہیں کی نہ ابن عباس

نے کی نہ کسی اور مفسر نے اور نہ ہی عرب میں لیل کو تاریک دور کو کہا جاتا رہا ہے؟؟

جواب: محترم پرویز صاحب کے متعلق اِس قسم کے اعتراض کرتے وقت شائد معترض محترم پرویز صاحب کے فہمِ قرآن کے موقف سے آگاہی حاصل نہیں کر سکا۔ یہاں ہم معترض کے علاوہ دوسرے احباب کو محترم پرویز صاحب کے فہمِ قرآن کے اصولوں کے ضمن میں اُن کے موقف سے اُن ہی کی زبان سے آگاہ کر رہے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اسے اُن کے خیالات سے مُستفید ہوتے وقت اپنے ذھن میں رکھ کر صحیح فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔

قرآن کریم پر غور وفکر اور تدبّر کرنے کے متعلق تین بنیادی اصول:

(1) عربی زبان کے ہر لفظ کے متعدّد معنی ہوتے ہیں، لیکن وہ متعدّد معنی اس لفظ کے ایسے مرادفات نہیں ہوتے کہ ایک کی جگہ دوسرا مرادف رکھ دیا جائے تو معنی بالکل وہی رہیں۔ یہ تو ہمارے ہاں کی شاعری ہے، جس میں شہد کی جگہ انگبیں کہہ دیا جائے تو معنی میں فرق نہیں پڑتا، لیکن عربی میں لفظ کے سینکڑوں مرادفات ہونے کے باوجود معنی میں فرق ہوتا ہے، اس لئے ایک لفظ کی جگہ اس کے مرادفات میں سے کوئی لفظ بعینہٖ انہی معنوں میں دوسری جگہ استعمال نہیں ہوتا۔ مرادفات قرآن کریم میں آئے ہیں۔ تدبّر کرنے والے کو دیکھنا یہ ہوگا کہ ان معنی میں سے کون سا معنی اس مقام سے مطابقت رکھتے ہوئے موزوں ہوگا، جسے لیا جائے۔

(2) دوسرا طریقہ تصریفِ آیات ہے۔ قرآن کریم کا یہ خاص انداز ہے کہ وہ ایک چیز کو مختلف مقامات پر دہراتا ہے۔ اگر قرآن میں ایک چیز کے بار بار آنے والے تمام مقامات کو سامنے رکھ لیا جائے، تو ہر مقام پہ اس کے معنی خود متعیّن ہو جاتے ہیں۔ تدبّر کرنے والے کے لئے انتخاب کرنا ضروری ہے کہ جو لفظ سامنے آیا ہے، تصریفِ آیات کے تحت اس کے جو معنی قرآن کے دیگر مقامات پر آئے ہیں، ان میں سے کون سا معنی اس مقام پر، اس لفظ کے لئے موزوں ہے، جسے اختیار کیا جائے۔ تدبّر کرنے والے کے پاس:

a) ایک تو لفظی معنی کی سند، زبان کے اعتبار سے یا لغوی اعتبار سے ہونا چاہیے، اور

b) دوسرے، جو معنی اس نے منتخب کیے ہیں، اس کی سند یہ ہو کہ قرآن کے دوسرے مقام پر وہ منتخب معنی استعمال ہوئے ہوں۔

c) تیسرے یہ کہ قرآن کریم کی من حیث الکل بھی ایک تعلیم ہے، اس لئے منتخب کردہ معنی قرآن کی کُلّی تعلیم کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

مثلاً قرآن علم کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ یہ قرآن کریم کی کُلّی تعلیم کا اصول ہے، اس لئے کوئی ایسے معنی نہیں لئے جائیں گے، جس سے جہالت کی تعریف ہوتی ہو، کیونکہ یہ بات قرآن کی کُلّی تعلیم کے خلاف چلی جائے گی۔

یہ ہوسکتا ہے کہ تدبّر کرنے والا ایک وقت میں اپنے تدبّر سے ان معنی میں سے کسی ایک معنی کو لے۔ لیکن انسان کی بڑھتی ہوئی فکر سے تدبّر کی نئی نئی راہیں کھلتی رہتی ہیں۔ کسی مقام پہ اس نے دیکھا کہ پہلے معنی سے یہ دوسرے معنی زیادہ موزوں نظر آتے ہیں، تو وہ دوسرے معنوں کو اختیار کر سکتا ہے اور اسے اختلاف نہیں کہا جائے گا۔ پھر دہرایا جاتا ہے کہ

(1) تدبّر کرنے والا، جو معنی لے رہا ہے، زبان کے اعتبار سے یا لغت کے اعتبار سے کیا وہ معنی عربوں کے ہاں مستعمل تھے؟

(2) کیا منتخب معنی کی قرآن کریم کے دوسرے مقام سے تائید ہوتی ہے؟

(3) قرآن کریم کی مِن حیث الکل بھی ایک تعلیم ہے، اس لئے منتخب کردہ معنی قرآن کی کُلّی تعلیم کے خلاف نہیں ہونے چاہئے۔

یہ ہیں تدبّر فی القرآن کے اصول۔ بات دراصل ترجیحات کی ہوتی ہے کہ تدبّر کرنے والے کے نزدیک ترجیحات کون سی ہیں کہ معنوں میں سے وہ کس کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر کوئی دوسرے معنی لیتا ہے تو یہ بات اس کے ساتھ جھگڑنے کی نہیں، بشرطیکہ اس کے پاس اوپر درج تینوں سندات موجود ہوں۔ یہ کوئی سند نہیں کہ ''فلاں مفسر، فلاں محدث نے یہ لکھا ہے''۔ کسی تدبّر کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مزید شواہد سامنے آنے کے باوجود اپنے اسی پہلے معنی پر اڑا رہے۔ اس پر لازم ہے کہ نئے انکشافات سامنے آنے کے بعد، اگر دوسرے معنی لینے کی گنجائش ہو، بشرطیکہ وہ تینوں شرائط پر پورا اترتا ہو، تو خود ہی معنی تبدیل کر دے۔ علم انسانی بڑھتا رہتا ہے اور نئے نئے انکشافات سامنے آتے رہتے ہیں، اس لئے کسی ایک دور کا تدبّر قرآن بھی قیامت تک کے لئے حرفِ آخر نہیں۔ ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ ان سندات کے ساتھ خود تدبّر کرے۔ عربوں کے ہاں الفاظ کے لغوی معنوں کے ساتھ، ان کے وہ مجازی معنی بھی عربی لغات میں مل جاتے ہیں، جو نزول قرآن کے وقت مراد لیے جاتے تھے۔ جو مجازی معنی ہوتے ہیں، وہ کسی خاص دور تک محدود نہیں ہوتے۔ جہاں اپنے دور کی علمی سطح پر بات کو سمجھانا مراد ہو تو وہاں مجازی معنی ہی لئے جاتے ہیں، لہٰذا جوں جوں دنیا میں اور انکشافات ہوتے جائیں گے، انقلاب آتے جائیں گے، مجازی معنی کی فہرست اور زیادہ لمبی ہوتی چلی جائے گی۔

قرآن کے محکمات چٹان کی طرح اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ قرآن نے اپنی آیات کو محور کہا ہے۔ محور وہ شے ہے جو اپنے مقام پہ کھڑی ہو اور ہر چیز اس کے گرد گھومے۔ قرآن کے حقائق محور ہیں، چٹان ہیں، جو اپنے مقام پہ کھڑے ہوئے ہیں اور انسان کا تدبّر و تفکّر ان کے گرد گھومتا رہتا۔ رہے گا۔ جوں جوں علمِ انسانی بڑھتا چلا جائے گا، تدبر کی راہیں بھی کشادہ ہوتی چلی جائیں گی۔ قرآن نے خود بتایا ہے کہ: سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (41:53)

انفس و آفاق میں جو ہماری علامات ہیں، ہم ان پر سے پردے اٹھاتے چلے جائیں گے تو ہر پردہ اُٹھنے کے بعد، جو بات سامنے آئے گی وہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ قرآن نے جو کچھ کہا تھا وہ حق ہے۔ لہٰذا پردوں نے تو ہر دور میں اٹھنا ہے، کیونکہ کسی ایک دور میں سارے پردے نہیں اٹھا کرتے۔ دنیا جتنی علم میں آگے بڑھے گی اتنے ہی پردے اٹھتے چلے جائیں گے۔ ہمارا دور اس بات پر شاہد ہے کہ پہلے ہزار سالوں میں بھی اتنی تبدیلیاں، انقلابات اور انکشافات نہیں ہوتے تھے جتنے ہمارے دور میں ہو رہے ہیں۔ آج کا دور بڑا تیز ہو گیا ہے۔ انسان کے علم کی ترقی کی رفتار بڑی تیز ہو گئی ہے۔ لہٰذا اسی اعتبار سے قرآن کے معنی، مفاہیم، انکشافات میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کے مفاہیم کو اوپر درج تین سندات پر پرکھا جائے گا تو پھر کوئی تعرض یا مخالفت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ کسی کا سمجھا ہوا قرآن، کسی دوسرے کے لئے سند نہیں ہو سکتا۔

اخیر میں مَیں اپنی طرف سے وضاحت میں یہی اضافہ کرنا چاہوں گا کہ ہمیں بھی پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کی تیاری میں ایسے ہی قواعد کو منطقی اور علمی پیمانہ پر پوری طرح منطبق ہونے کی بنا پر انہی جیسے اصولوں سے مُستفید ہوتے ہوئے یونیورسٹی کی طرف سے مقالہ کی تیاری کی خصوصی ہدایات دی جاتی تھیں۔ اس سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ پُرانی بات کو نئے پیرائے میں اخذ کرتے ہوئے باقاعدہ مُستند اسناد کے حوالہ جات دیتے ہوئے ایک نئی تخلیق کے طور پر سامنے لایا جائے۔

مرتبہ بزم لندن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم عید کیوں مناتے ہیں؟

عیدالفطر:

دنیا کی ہر قوم کوئی نہ کوئی تہوار مناتی ہے۔ ہم بھی سال کے مختلف دنوں میں بعض تیوہار مناتے ہیں لیکن اس عید کا تہوار وہ ہے جسے بطور جشن مسرت منانے کا حکم خود خدا نے دیا ہے۔ اس سے اس تیوہار کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سورہ یونس میں ہے:

''اے نوع انسان تمہارے رب کی جانب سے ایک ضابطہ قوانین نازل ہوا ہے جو انسان کی تمام نفسیاتی بیماریوں کا علاج اپنے اندر رکھتا ہے اور ان کے لئے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھیں سامان پرورش اور منزل انسانیت تک پہنچنے کی راہنمائی ہے۔'' (10:57)۔

اس کے بعد فرمایا:

''اے رسول! ان سے کہہ دو کہ یہ خدا کے فضل و رحمت سے ہے کہ ایسا بے مثال ضابطہ زندگی مل گیا ہے تم کیا اگر ساری دنیا کے انسان بھی مل کر کوشش کرتے تو اس جیسا ضابطہ نہ مل سکتا' لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسی قیمتی چیز کے اس طرح مفت مل جانے پر جشن مسرت مناؤ۔ وہ دولت کہ انسان جو کچھ بھی جمع کرے یہ اس سے زیادہ قیمتی ہے۔'' (10:58)

یہ ہے وہ تقریب جسے بطور جشن منانے کی تاکید خدا نے کی ہے یعنی جشن نزول قرآن اور نزول قرآن کی ابتداء چونکہ رمضان کے مہینے میں ہوئی تھی (2:185) اس لئے رمضان کا پورا مہینہ گویا اس جشن کی تیاریوں کے لئے تھا اور عیدالفطر اس جشن کی تکمیل کا دن۔ پورے تیس دن کے روزے تیاری میں۔ یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بال آخر ہمیں دیا کیا ہے جس کے لئے ہم سے جشن مسرت منانے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس سوال کا جواب قرآن یہ دیتا ہے کہ وہ انسان کو اس کے صحیح مقام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے کہا ہے کہ۔۔۔ اے رسول! ہم نے یہ کتاب تیری طرف اس لئے نازل کی ہے کہ تو اس شمع نورانی کے ذریعے نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے (10:57-58)۔ ذرا سوچئے کہ تاریکی میں کیا ہوتا ہے اور روشنی اس کی جگہ کیا کرتی ہے؟ تاریکی میں کسی شے کا مقام متعین نہیں ہوتا۔ روشنی میں ہر شے اپنی صحیح حقیقت کے ساتھ اپنے مقام پر نظر آجاتی ہے۔ یہ تاریکی ہی ہے جس میں ہم رسی کو سانپ اور سانپ کو بعض اوقات رسی سمجھ لیتے ہیں۔ روشنی آجانے سے رسی

رسی اور سانپ سانپ کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔

نزول قرآن سے قبل تاریکیاں:

نزول قرآن سے پہلے انسان پر اس قدر تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں کہ نہ وہ خارجی کائنات کی کسی شے کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکتا تھا نہ وہ اپنے مقام سے آگاہ تھا۔

یہ تاریکیاں کیا تھیں؟ دل و دماغ کی تاریکیاں' فکر و نظر کی تاریکیاں یعنی جہالت اور توہم پرستی کی تاریکیاں۔ مختصراً یہ کہ اپنے مقام سے بیگانگی کی تاریکیاں اور حقیقت یہ ہے کہ تمام تاریکیوں کا منبع یہی تاریکی تھی باقی سب تاریکیاں اس کی پیداوار تھیں۔ اگر انسان پر اس کا صحیح مقام روشن ہو جائے تو یہ تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے انسان کا صحیح مقام کیا بتایا ہے؟ اس سوال کی تفصیل میں جانا چاہیں تو اس کے لئے سارے کا سارا قرآن سامنے لانا پڑے گا جس کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں' لہٰذا اس کے صرف چند ایک گوشے ہی سامنے لائے جا سکتے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ نزول قرآن سے پہلے انسان کن تاریکیوں میں ڈوبا ہوا اور کن پستیوں میں گرا ہوا تھا۔ نزول قرآن کے وقت انسان کی کیفیت یہ تھی کہ۔۔۔ انسان' انسان کی پرستش کرتا تھا۔ غلامی کا جواء اس کی گردن میں پڑا ہوا تھا۔ کہیں ملوکیت کا فولادی پنجہ اس کی رگ جان کو دبائے ہوئے تھا۔ کہیں رہبانیت کی غیر فطری زندگی اس کے دل و دماغ کو بری طرح ناکارہ بنائے ہوئے تھی۔ کہیں سرمایہ دار کی ہوس اس کے خون کا آخری قطرہ تک چوس رہی تھی۔ یہ تھی انسان کی کیفیت۔

توہم پرستی:

جب قرآن آیا اور اس نے اعلان کیا کہ خدا کے اس رسول ﷺ کے ظہور کا مقصد یہ ہے کہ یہ ان تمام زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں انسان جکڑا چلا آ رہا ہے۔ یہ اس کے سر سے ان بوجھل سلوں کو اتار پھینکے گا جن کے بوجھ سے یہ کچلا جا رہا ہے (7:157)۔ ان زنجیروں میں سب سے پہلی زنجیر اس کی توہم پرستی کی تھی جس کی رو سے یہ خارجی کائنات کی ہر قوت سے ڈرتا تھا۔ بادل گرجا اور یہ سہم گیا۔ بجلی کڑکی اور یہ دبک کر بیٹھ گیا۔ پہاڑ سامنے آیا تو اس کی ہیبت سے لرز اٹھا۔ ان قوتوں کے خطرات سے بچنے کے لئے اس کے ذہن میں ایک ہی طریق آ سکتا تھا اور وہ یہ کہ ان قوتوں کو خدا تسلیم کر لیا جائے' ان کے سامنے جھکا جائے' ان کی پرستش کی جائے' ان کے حضور قربانیاں دے کر انہیں خوش کرنے کی کوشش کی جائے۔

مقام آدمیت

خارجی قوتوں کے مقابلہ میں یہ تھا وہ مقام جو انسان نے اپنے لئے تجویز کر رکھا تھا۔ قرآن آیا اور اس نے کہا کہ تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ۔۔۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اسے خدا نے تمہارے فائدے کے لئے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ (45:12-13، 31:20) اگر تم ذرا غور و فکر سے کام لو تو یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان کا مقام کیا ہے اور تمہارا مقام کیا۔ یہ سب خادم ہیں اور انسان ان کا مخدوم۔ یہ سب قوانین خداوندی کے تابع زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور انسان کو ان قوانین کا علم دے دیا گیا ہے۔ جوں جوں تم ان قوانین کا علم حاصل کرتے جاؤ گے یہ قوتیں تمہارے سامنے

جھکتی جائیں گی۔

سنت اللہ

یہ قوانین جن کے مطابق یہ بڑی بڑی قوتیں مصروف عمل ہیں، اٹل ہیں، نہ بدلنے والے قوانین ہیں۔ اس لئے تمہیں اس کا خدشہ نہیں ہونا چاہئے کہ نہ معلوم کس وقت یہ قانون بدل جائے اور یہ قوتیں میرے قابو سے نکل جائیں۔ یہاں پر ہر بات قانون کے مطابق ہوتی ہے، قانون کے مطابق ہوتی رہے گی اور ان قوانین میں کبھی بھی تبدیلی نہیں آئے گی (33:62) یہ تھا وہ آئینہ جس میں قرآن نے انسان کو اس کی حقیقی شکل دکھائی تو وہ ایک ہی جست میں مسجود ملائک اور مخدوم کائنات بن گیا۔ انسان کے لئے مجبور محض اشیائے کائنات کو مسخر کر لینا پھر بھی آسان تھا، مشکل مرحلہ وہ تھا جہاں انسان دوسرے انسان کے ظلم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ زنجیر انسانی حکمرانی کی تھی اور اس خوئے غلامی میں اسے اس قدر پختہ کر دیا گیا تھا کہ وہ انسانوں کی محکومیت کو اپنی فطرت کا تقاضہ اور ان کا پیدائشی حق سمجھنے لگ گیا تھا۔

حق حکومت

قرآن کریم آیا اور اس نے اعلان کیا کہ۔۔۔ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں، خواہ خدا نے اسے کتاب، حکومت حتیٰ کہ نبوت بھی کیوں نہ دی ہو، کہ وہ دوسرے انسانوں سے کہے کہ تم خدا سے ورے میری محکومی اختیار کرو۔ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس کتاب خداوندی کی اطاعت کرو جسے تم پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو (3:78-79) آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم کے اس اعلان نے انسان کو کس طرح ہر قسم کی انسانی غلامی سے نجات دلا کر اسے ایک خدا کی محکومیت کی دعوت دی۔ قرآن کریم کی ساری تعلیم اسی بنیادی نقطہ کی شرح ہے کہ۔۔۔ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کرو، ان کے علاوہ کسی انسان کی اطاعت مت کرو (12:40) انسان کا تخلیقی مقصد یہ ہے کہ وہ صرف قوانین خداوندی کی محکومیت کرے اگر اس نے اس کے علاوہ کسی اور کی محکومی اختیار کی تو یہ اس کی تخلیق کے مقصد کے خلاف ہوگا۔ یہ تو تھا ملوکیت کا ظلم جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتا ہے لیکن یہ جھکنا انسان کے بدن کا تھا وہ چاہتا تو اپنے دل و دماغ کو اس سے آزاد رکھ سکتا تھا لیکن اس سے آگے انسان کے جھکنے کا وہ مقام آتا ہے جس میں اس کے دل و دماغ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

مذہبی پیشوائیت

یہ غلامی تھی مذہبی پیشوائیت کی جو دوسرے انسانوں سے اپنی خدائی منواتی تھی۔ قرآن کریم نے انسان کو آواز دی اور اس سے کہا کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ جو مقدس نقابوں کی اوٹ میں خدا کے نمائندے بن کر تمہارے سامنے آتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ پیران طریقت ہوں یا علمائے شریعت ان کا سارا مسئلہ معاشی ہے لیکن یہ اسے مذہب کے پردے میں چھپائے رکھتے ہیں۔ ان میں اکثر کا یہ عالم ہے کہ خود کچھ نہیں کماتے اور دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں (9:34)۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ یہ لوگوں کو خدا کی راہ بتاتے ہیں لیکن درحقیقت انہیں خدا کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں۔ یہ خدا سے ورے خود خدا بن بیٹھے ہیں۔ اس لئے خدا تک پہنچنے ہی نہیں دیتے، راستے میں ہی روک

لیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اگر لوگ خدا تک پہنچ جائیں یعنی اس کی اس کتاب کو اپنا راہنما بنالیں تو ان خدا کے نمائندوں کا وجود ہی ختم ہوجائے۔ مذہبی پیشوائیت کی حکمرانی کا دائرہ زندہ انسانوں تک ہی محدود نہیں ہوتا ان کی حکومت ان کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ مرنے کے بعد ان کی گرہیں اور زیادہ مضبوط ہوجاتی ہیں۔ زندہ انسان ان مردوں کی بے پناہ قوتوں کے خیال سے کانپتا ہے' ان کے حضور منتیں مانتا اور نذانے گزارتا ہے۔ جہاں تک مُردوں کی غلامی کا تعلق تھا قرآن نے زندہ انسانوں سے کہا کہ ذرا سوچو کہ جن ہستیوں کو تم اپنا ''خدا'' سمجھ رہے ہو ان کی حالت یہ ہے کہ۔۔۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار کو سن نہیں سکتے اور اگر وہ بفرض محال تمہاری پکار سن بھی لیں تو اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی بے خبری کی یہ حالت ہے کہ ان مردوں کو خود اپنے متعلق بھی علم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے (25:3، 27:65، 46:4-5) لہٰذا ان سے ڈرنا کیوں اور ان سے مرادیں کیوں وابستہ کرنا۔ یہ انسان کی انتہائی پستی ہے کہ وہ مُردوں سے ڈرتا رہے اور انہیں اپنا حاجت روا تسلیم کرے۔

منشورِ آزادی

انسان کو انسان کے آگے جھکانے کی ایک موثر تدبیر یہ تھی کہ اسے روٹی کا محتاج بنا دیا جائے اور اس طرح اسے بھوکا رکھ کر اس سے اپنا حکم منوا لیا جائے۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ رزق کے معاملے میں کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہیں ہے۔ ہم تمام افراد کے رزق کے ذمہ دار ہیں' ان کے بھی اور ان کی اولاد کے بھی۔ ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جس میں رزق کے سرچشمے انسانوں کی ملکیت میں رہنے کے بجائے تمام افرادِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ بنیں اور کوئی کسی کا محتاج ومحکوم نہ ہو (6:152، 11:6، 17:31) یہ تھے وہ تصورات جو قرآن نے دیئے اور اس طرح انسانوں کو ان کے صحیح مقام سے آگاہ کیا (17:70) اور ان سے کہہ دیا کہ اگر تم قرآنی قوانین پر کاربند ہوگے تو تمہیں ایک ایسا معاشرہ میسر آجائے گا جس میں کیفیت یہ ہوگی کہ تمہیں نہ کسی قسم کا خطرہ ہوگا نہ خوف و حزن (2:37-38، 7:35، 10:62-64) بلکہ ہر طرح کا اطمینان اور ہر طرح کی سلامتی میسر ہوگی۔

مساواتِ انسانی

اس میں ہر انسانی بچے کو زندگی کی دوڑ میں مقابلے کے لئے ایک جیسا میدان ملے گا۔ نہ کسی سے بے جا رعایت ہوگی نہ کسی کے راستے میں رکاوٹ آئے گی۔ جس کا جی چاہے اپنی محنت سے آگے بڑھ جائے' جس کا جی چاہے اپنی بے عملی سے پیچھے رہ جائے۔ یہاں ہر فیصلہ انسان کے جوہر ذاتی اور عمل مسلسل کے مطابق ہوگا (46:19، 99:7-8) یہ نہ ہوگا کہ بڑے باپ کا بیٹا سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہو اور غریب کا بیٹا ابتدائی تعلیم تک بھی نہ حاصل کر سکے کیونکہ اس کے باپ کے پاس اسے سکول میں داخل کروانے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ یہ پیدائشی تفریق برہمن کی خود ساختہ زنجیریں تھیں جن میں وہ شودر کو جکڑے رکھتا تھا۔ قرآن کریم نے انسان کو ان تمام زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے نوعِ انسان کو قرآن دیا گیا اور اسے کہا گیا تھا کہ ایسے منشورِ حریت وآزادی کے عطا ہونے پر جشن مناؤ۔

جمیلہ خاتون پالوی، بھارت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خواتین کا صفحہ

عورت اور قرآن

(قسط نمبر:4)

غیر مسلم عورتوں کے طفیل بعض مشرقی ومغربی ممالک کی مسلمان عورتوں کی آزادی بلاشبہ قابلِ ذکر ہے مگر وہاں چونکہ ''اسلامیت'' پر ''مغربیت'' حاوی ہے اس لئے قرآنی تعلیمات کا لحاظ نہیں کیا گیا اور نہیں کیا جاتا۔ ترکیہ ضرور اسلامی ملک ہے اور وہاں 1935ء میں عورتوں نے ''کامل آزادی'' حاصل کر لی ہے مگر وہ مشرق ومغرب کا سنگم ہے اس لئے اسے بھی مثال میں پیش کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہم ''مشرقی عورتوں'' کے لئے ایک وقت یہ بھی ہے کہ ہم آزادی کے حصول میں نہ تو ''اسلامیت'' کو نظر انداز کر سکتے ہیں اور نہ ''مشرقیت'' کو قربان، اس لئے کہ وہ ہماری فطرت کی صحیح ترجمان ہے۔ لہٰذا ہمارا بہترین راستہ حقیقتاً یہ ہے کہ ہم اندھا دھند جذباتی طور پر مغرب کی یا مغرب زدہ ملکوں کی عورتوں کی ریس کرنے کی بجائے اپنے وہ جائز حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کریں جو ہماری فطری اور مشرقی خصوصیات کو نقصان پہنچائے بغیر ''قرآن مجید'' نے عطا کئے ہیں کہ یہی ایک صورت ہماری فلاح کی ہے اور ہوگی، اور اسی کی روشنی میں حاصل کی ہوئی آزادی میں اللہ تعالیٰ استقامت بھی عطا فرمائے گا۔ ورنہ اگر ہم نے بلا سوچے سمجھے ''یورپ'' کی عورتوں کی تقلید کرنی چاہی تو یہ قرآنی لفظوں میں ''طغیٰ'' ہوگا۔ یعنی ''خدائی حدود سے متجاوز ہوجانا۔'' جواز روئے قرآن مجید مسلمانوں کو چاہے وہ ''مرد'' ہوں یا ''عورت'' بڑی سختی سے روکا گیا ہے اور اسی لئے اُمتِ مسلمہ کو مثالی حیثیت سے اعتدال پر بتایا گیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (سورۃ البقرہ:143)

اس طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنایا ہے جو اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں کے لئے نگراں بنو۔

قرآنِ مجید میں جو قصے ہیں چاہے وہ قوموں کے ہوں یا افراد کے ''مردوں کے ہوں یا عورتوں کے'' اسی لئے بیان کئے گئے ہیں کہ لوگ ان پر غور وفکر کریں اور ان سے سبق لیکر ''خدائی حدود'' پھاندنے سے بچیں۔ اسی لئے دنیا میں ''تاریخ'' کی بڑی اہمیت ہے مگر بدنصیبی یہ ہے کہ

رُسوا کیا اس دَور کو جَلوت کی ہوس نے — روشن ہے نِگہ، آئینۂ دل ہے مُکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے — ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے — وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

ظاہر ہے کہ اس روشنی میں کچھ غور وفکر کے لئے قرآن مجید کا جاننا ضروری ہے مگر اس کا علم عام طور سے ہم عورتوں کو حاصل

نہیں ہے۔ ''مسلمان عورتوں'' کے مسائل وحقوق سے متعلق اردو زبان میں ایک تو کتابیں لکھی ہی گئی بہت کم ہیں۔ دوسرے جو چھوٹی یا بڑی دو چار کتابیں اسی سلسلے کی ہیں بھی ان میں ''عورت'' کے کسی مسئلہ اور حق پر محض دستورِ اسلامی یعنی صرف قرآنِ مجید کی روشنی میں اظہارِ خیال نہیں کیا گیا ہے۔ مصنف حضرات جس مسئلے سے بحث کرتے ہیں اُسے ''اسلامی نقطۂ نظر'' کہتے ہیں اور ''اسلام'' ان کے یہاں صرف قرآنِ مجید میں نہیں ہے بلکہ ''اسلام'' میں ان کے نزدیک قرآنِ مجید کے علاوہ اور بھی بہت سے انسانوں کی لکھی ہوئی بیشمار کتابیں داخل اور شامل ہیں اور پھر یہ کتابیں یا ان کے مضامین بھی مسلمہ نہیں جن پر جمہور کا اتفاق ہو۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ قرآنِ مجید کی آیات پیش کر کے قرآنِ مجید اور صرف قرآنِ مجید ہی کی روشنی میں ان مسائل وحقوق کو سمجھایا جاتا تاکہ ہمیں ''فقہاء اور علماء کا خیال'' نہیں بلکہ ''خدا کا حکم'' معلوم ہوتا۔ پھر ان موجودہ کتابوں میں کوئی بھی ''عورت'' کے تمام مسائل اور سارے حقوق پر حاوی نہیں ہے۔ کسی مصنف نے ایک مسئلے کو لے لیا اور پوری کتاب لکھ ڈالی بعض نے دو چار حقوق لے کے ان پر زورِ قلم صرف کیا۔ اور پھر ان میں تحریر کا انداز یہ ہے یا ہوتا ہے کہ گویا وہ حقوق ''عورت'' کو ''خدا'' نے نہیں مردوں نے دیئے ہیں جن کے احسان سے ہم کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ غرض اس وقت اردو زبان میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس میں کلام پاک کی صرف وہ آیتیں پیش کی گئی ہوں جو عورت سے متعلق ہیں تاکہ ایک مسلمان عورت اگر یہ جاننا چاہے کہ قرآن مجید میں ہمارے لئے بطور خاص کیا کیا احکام ہیں اور وہ کہاں کہاں پر ہیں، تو وہ انہیں دیکھ اور پا سکے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت کی ایسی ہی اہمیت ہے کہ اس نے اپنی مقدس کتاب میں کوئی سورہ ''الرجل'' (مرد) کے نام سے تو نازل اور منسوب ومعنون نہیں کی ہے مگر ایک مستقل سورۃ النساء (عورت) کے عنوان سے نازل اور منسوب ومعنون کی ہے جو سورہ البقرہ اور اعراف کے بعد قرآن مجید کی سب سے بڑی سورہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پاکستانی وہندوستانی مسلمان عورتیں قرآنِ مجید کی تلاوت [1] ہر گھر میں کرتی ہیں مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے شروع ہی سے یہ خاص خیال رکھا گیا کہ مسلمان عورت قرآن شریف سے باخبر نہ ہونے پائے اس لئے نہ ہمیں باضابطہ اتنی تعلیم دلائی جاتی ہے کہ ہم اپنے حقوق ومسائل کا احساس وادراک کر سکیں نہ ہماری زبان عربی ہے کہ ہم قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اس کو سمجھ سکیں۔ نہ قرآن مجید کو ہمیں ترجمہ کے ساتھ باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ معلوم ہو سکے۔ حد تو یہ ہے کہ عام طور سے جہیز کے سامانوں کے ساتھ قرآن مجید کا جو نسخہ ہمیں دیا جاتا ہے وہ بھی بطورِ خاص یہ دیکھ کر کہ وہ بے ترجمہ ہو، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت یہ جان لے کہ خدا نے مسلمان عورت کو کیا کیا حقوق دیئے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کے وجود میں آنے کا محرک یہی جذبہ ہے۔

اسلام کا دستور العمل قرآن مجید ہے اور بعض فروع کے ساتھ، ورنہ سارے اصول اس میں موجود ہیں۔ اب اگر یہ کتاب ''عورت'' کے سامنے رہی تو اسے معلوم رہے گا کہ عورت سے متعلق قرآن مجید میں یہی کچھ ہے۔ بقیہ قرآن مجید اصولی حیثیت رکھتا ہے۔ عبادات ومعاملات میں قرآن مجید نے کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ معاشرتی اور سماجی مسائل میں عورت اور مرد دونوں

[1] تلاوت کے معنی پیچھے پیچھے چلنا ہیں۔ یعنی جو قرآن رہبری کرتا ہے اس کی تقلید کرو۔ مگر مسلمانوں کے ہاں اس کا مطلب بے سمجھے بوجھے الفاظ کو دہرانا ہو گیا۔

کو مساوی حق دیا گیا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ جس طرح مرد پر فرض ہیں اسی طرح عورت پر، سچ بولنا، جھوٹ سے پرہیز کرنا، چوری، جوا، حرام سے بچنا، دوسروں کی تحقیر وتذلیل نہ کرنا، لوگوں کا نقصان نہ کرنا، یتیموں کا مال نہ کھانا، تکبر نہ کرنا، امانت میں خیانت نہ کرنا، غیبت، تمسخر، عیب چینی، اور چغلی سے احتراز کرنا۔ غرض جس قدر بھی اخلاقی مسائل وفرائض ہیں وہ دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ مثلاً علم کو لیجئے کہ اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں، خداشناسی کے لئے حصولِ علم کا عام حکم ہے۔ دونوں کے لئے یکساں لازمی حیثیت رکھتا ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (سورۃ الفاطر:28)

خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس آیت کی روشنی میں خدا سے ڈرنے کے لئے بندے کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ خداشناسی کا انحصار اسی پر ہے اور اس علم کے حصول کے لئے نہ مرد کی تخصیص کی گئی ہے نہ عورت کی۔ خدا کے بندے مرد بھی ہیں عورت بھی، اور خدا سے ڈرنا مرد کے لئے بھی ضروری ہے اور عورت کے لئے بھی۔ لہٰذا جس علم سے بھی دماغ میں روشنی، عقل میں جلا اور نفس میں پاکیزگی آئے اُسے جس طرح مرد حاصل کرتے ہیں اسی طرح عورت کو بھی حاصل کرنا چاہئے مگر ہاں اس میں بھی کلام نہیں ہے کہ بقول حضرت اقبالؒ:

جس عِلم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دِیں سے اگر مدرسۂ زن — ہے عشق و محبّت کے لیے عِلم و ہُنر موت

رہے وہ مسائل جن کی جزئیات قرآن نے متعین نہیں کیں ___ اور ایسے مسائل ملیں گے اس لئے کہ نزولِ قرآن کے وقت جب خدائی احکام کو زیادہ سے زیادہ جاننے کے متمنی مومنین، ہر باب میں واضح ہدایت چاہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انتہائی کرم فرمائی اور رحمت کے پیشِ نظر یہ کہہ کے روک دیا تھا کہ:

(1) اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ط (سورۃ البقرہ:108)

کیا تم چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے رسولؐ سے ویسے ہی سوالات کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰؑ سے کئے جا چکے ہیں؟

(2) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ج وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ ط عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ (سورۃ المائدہ:101)

مسلمانو! اپنی طرف سے کاوشیں کر کے ان چیزوں کی نسبت سوالات نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں گوارا نہ ہوں۔ اگر ان چیزوں کے بارے میں سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو ظاہر کر دی جائیں گی۔ خدا نے تم کو یہ بات معاف کر دی اور وہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

❁❁❁

عید مبارک

جشنِ نزولِ قرآن مجید

پر پیشگی ہدیہ تبریک قبول فرمائیے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ (10:58-57)

اے نوعِ انسانی! تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات آ گیا ہے جو ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے سینوں کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو قوم اس کی صداقتوں پر یقین رکھتی ہے یہ اس کی راہنمائی، زندگی کی منزلِ مقصود کی طرف کرتا ہے اور اسے سامانِ نشوونما سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔

کہو کہ یہ خدا کے فضل و رحمت سے عطا ہوا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسے ضابطۂ حیات کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ یہ اس تمام ساز و سامان سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے ہو۔

انجینئر سلیم اقبال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مرحلہ وار سلسلہ

پوسٹ نمبر:3

عرب رَحمٰن کو اسلام سے پہلے کیا سمجھتے تھے؟

1) رحمٰن ایک مقامی طاقتور خدا کا نام تھا. یمن اور جنوبی عرب میں ایک دیوتا (مقامی god) کو رَحمٰن یا رحمنان کہا جاتا تھا۔ جو صرف ایک مہربان خدا کے طور پر مانا جاتا تھا۔

یہ لفظ مذہبی نقشوں اور کتبوں میں ملتا ہے، خصوصاً حِمیَری تہذیب میں۔

2) قریش اس لفظ کو اللہ کے لیے نہیں مانتے تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہا، تو قریش نے حیران ہو کر کہا:

"وَمَا الرَّحۡمٰنُ"

(یہ رحمان کون ہے؟) سورہ فرقان 60

قرآن نے اسی لفظ کو لے کر اس کی معنوی دنیا بدل دی۔

"الرَّحۡمٰن بغیر شرط کے، ہمہ گیر رحمت

قرآن میں رحمن اللہ کی ایسی رحمت ہے جو بغیر کسی کنڈیشن کے پوری کائنات پر جاری وساری ہے۔ ہر انسان، حیوان، مخلوق، یہاں تک کہ منکر کے لیے بھی دن رات، ہوا پانی، سانس، زمین، سورج، رزق، حفاظت سب پر محیط ہے۔

رحمن = Unconditional Universal Mercy (رحمتِ عامہ) ہر ذرے میں مسلسل فعال۔ کسی شرط کا محتاج نہیں۔

رحیم وہ رحمت ہے جو:

انسان کے اخلاق، کردار اور عمل کے مطابق اس کی زندگی میں ظاہر ہوتی ہے۔ انسان کے دل، سوچ، فیصلوں اور رویّوں میں اندر سے پھوٹتی ہے۔ نتائج: سکون، حکمت، بصیرت، کامیابی اور شخصیت میں نکھار کی صورت میں ملتے ہیں۔

رحیم = Conditional Inner Mercy (رحمتِ خاصہ) جو انسان کی اخلاقی پاسداری سے اس کے اندر ظاہر ہوتی ہے۔

الرحمن وہ رحمت ہے جو بغیر کسی شرط کے پوری کائنات میں جاری ہے۔

اور الرحیم وہ رحمت ہے جو انسان کے اخلاق، عدل اور کردار کے نتیجے میں اس کے باطن میں ظاہر ہوتی ہے۔

الرَّحمٰن

یعنی وہ ہمہ گیر، وسیع، کائناتی رحم۔ جو فطری قوانین کی صورت پورے Cosmos پر جاری ہے: توانائی کا بہاؤ، توازن کے اصول، نشوونما کے قوانین، کہیں کششِ ثقل، کہیں کیمیائی قوانین، کہیں حیاتیاتی نمو جو ہر ذرے، ہر وجود، ہر مرحلے کو سہارا دیتے ہیں۔

یہ رحمت سب کے لیے ہے، بغیر استثناء کے، جیسے سورج کی روشنی سب پر برابر پڑتی ہے۔

الرَّحیم

یعنی وہ رحمت جو انسانی اخلاق کے اندر فعال ہوتی ہے۔ اخلاص، سچائی، انصاف، بردباری، معافی۔ جب انسان اپنے کردار کو بلند کرتا ہے تو اس صفت کا ظہور اُس کی زندگی میں مدد، سکون اور واضح سمت کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ "خصوصی" رحمت ہے۔

فعلِ انسان کے جواب میں کھلنے والی راہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔۔

میں آغاز کرتا ہوں اُس حقیقت کے نام سے

جس کی کائناتی رحمت نظامِ فطرت کی صورت ہر شے پر جاری ہے،

اور جس کی اخلاقی رحمت انسان کے اندر صرف تب ظاہر ہوتی ہے

جب انسان خود کردار کی سچائی پر کھڑا ہو۔

اظہارِ لاتعلقی

ادارہ طلوعِ اسلام کی ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پیجز اور چینلز کے ایڈریس اور یو آر ایل ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پہلے صفحہ اور بیک ٹائٹل پر شائع ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے بھی فیس بک کے پیجز اور چینلز وغیرہ جن پر پرویز علیہ الرحمہ کا نام، تصویر یا ادارہ طلوعِ اسلام یا قرآن خالص وغیرہ جیسے ملتے جلتے ناموں سے پیجز چل رہے ہیں ان کا ادارہ طلوعِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ادارہ طلوعِ اسلام کے آفیشل لنکس درج ذیل ہیں:

www.toluislam.org
www.facebook.com/IDARATOLUEISLAM1
www.youtube.com/@idaratolueislam
www.instagram.com/idaratolueislam
www.facebook.com/TalueIslam/
www.x.com/talueislam

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20X30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات
سورۃ الفاتحہ	(1)	240
سورۃ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240
سورۃ البقرہ (اوّل)	(2)	500
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500
سورہ آل عمران (اوّل)	(3)	472
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480
سورۃ النساء	(4)	870
سورۃ المائدہ	(5)	450
سورۃ الانعام	(6)	600
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400
سورۃ الانفال	(8)	210
سورۂ توبہ	(9)	530
سورۂ یونس	(10)	360
سورۃ ھود	(11)	400
سورۃ یوسف	(12)	288
سورۂ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-14-15)	500

سورۃ النحل	(16)	334
سورۃ بنی اسرائیل	(17)	396
سورۃ الکہف، سورۃ مریم	(18-19)	532
سورۃ طٰہٰ	(20)	416
سورۃ الانبیآء	(21)	336
سورۃ الحج	(22)	380
سورۃ المؤمنون	(23)	408
سورۃ النور	(24)	264
سورۃ الفرقان	(25)	389
سورۃ الشعرآء	(26)	454
سورۃ النمل	(27)	280
سورۃ القصص	(28)	334
سورۃ العنکبوت	(29)	388
سورۃ روم، لقمان، السجدہ	(30-31-32)	444
سورۃ الاحزاب، سبا، فاطر	(33-34-35)	570
سورۃ یٰسٓ	(36)	164
سورۃ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37-38-39)	450
سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40-41-42)	624
سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45-46-47)	520
سورۃ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطور، النجم	(48-49--51-50-52-53)	550
سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55-56-57)	384
28واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	-64-65-66) (58-59-60-61-62-63	300
29واں پارہ (مکمل)		544
30واں پارہ (مکمل)		624
شرح جاوید نامہ		800
فہرست موضوعات مطالب القرآن فی دروس الفرقان		800

(مکمل سیٹ علاوہ ڈاک خرچ -/20,000)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں کا صفحہ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

نجمہ بہت ذہین بچی تھی۔ جو بات ایک بار سن لیتی وہ جیسے ہمیشہ کے لیے اسے یاد ہوجاتی۔ جس سے ایک بار مل لیتی، اس کا چہرہ اور نام کبھی نہ بھولتی۔ پڑھنے میں بھی وہ بہت تیز تھی۔ اپنی کلاس میں ہمیشہ اوّل آتی۔ اسے اپنی کتابوں کے اکثر سبق اور نظمیں زبانی یاد ہوگئی تھیں۔ نجمہ کو اپنے حافظہ پر بڑا غرور ہوگیا۔ اس نے محنت سے اپنی کتابیں پڑھنی چھوڑ دیں۔ ہر وقت قصہ کہانی کی کتابیں اور رسالے پڑھتی رہتی۔

آخر امتحان سر پر آ گیا۔ اب نجمہ تھی اور کورس کی ڈھیر ساری کتابیں۔ تاریخ، جغرافیہ، انگریزی، اردو، حساب، جنرل سائنس وغیرہ۔ نجمہ نے سب کتابیں یاد کرنے کی کوشش کی مگر آٹھویں جماعت کا کورس اتنا آسان تو ہوتا نہیں کہ دس بارہ دن میں پڑھ کر کوئی پاس ہوجائے۔

امتحان ہوا۔ نجمہ کے پرچے اچھے نہ ہوئے۔ چند دن کے بعد نتیجہ نکل آیا اور ہمیشہ اوّل آنے والی نجمہ فیل ہوگئی۔ تمام خاندان کو بہت حیرانی ہوئی کہ آخر یہ کیسے ہوگیا؟ مگر ہونے والی بات تو ہوچکی تھی۔

نجمہ بہت اداس اداس رہنے لگی۔ وہ اپنے کمرے سے بھی باہر نہ نکلتی۔ آخر اس کی امی اور ابّو نے اسے بہت سمجھایا:

''غم نہ کرو۔ صبر کرو۔ انشاء اللہ اگلے سال پاس ہوجاؤ گی۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

نجمہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ آخر صبر کرنے سے کوئی پاس کیسے ہوسکتا ہے؟ صبر کرنے سے دوسرے کام کیسے ہوسکتے ہیں؟ نجمہ کے ذہن میں بہت پریشانی پیدا ہوگئی۔ ایسی پریشانی جو ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔

ایک دن نجمہ کے ماموں کراچی سے لاہور آئے۔ نجمہ کو اپنے ماموں سے بہت پیار تھا۔ وہ بہت خوش ہوئی اور اس خوشی میں اپنے فیل ہونے کا غم بھول گئی۔ ماموں نے نجمہ کو لاہور کی خوب سیر کروائی۔ جہانگیر کا مقبرہ، بادشاہی مسجد، شالامار باغ، باغ جناح، چڑیا گھر، مینارِ پاکستان، جلو پارک، ریس کورس پارک، گلشنِ اقبال پارک، قائداعظم لائبریری اور بھی کئی جگہوں پر خوب گھومے پھرے۔ جب اتوار آیا تو انہوں نے صبح ہی صبح نجمہ سے کہا:

''بیٹی آٹھ بجے تک تیار ہوجانا۔ آج ہم درسِ قرآن سننے چلیں گے۔ قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس کتاب کی اچھی اچھی اور پیاری پیاری باتیں سمجھ کر اور ان پر عمل کر کے ہم بڑی ترقی کر سکتے ہیں۔ یہی ہماری بڑائی کا واحد راستہ ہے۔ آج مسلمان دنیا کی دوسری قوموں سے کتنا پیچھے رہ گئے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ اب وہ قرآن مجید سے اپنی

زندگی کے لئے روشنی حاصل نہیں کرتے۔''

نجمہ اندر جا کر عورتوں اور اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ جو صاحبِ درس قرآن دیتے ہیں۔ اُنہیں یہ سب لوگ ''باباجی'' کہتے ہیں۔ دس بجے درس قرآن شروع ہوا۔ باباجی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اپنی تقریر شروع کی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی نجمہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ باباجی تو ''صبر'' کے بارے ہی میں تقریر کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ قرآن مجید کی روشنی میں صبر کسے کہتے ہیں۔

باباجی نے بتایا:

''عربی زبان میں صبر کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنا کام مکمل کرنے کے لئے بھرپور محنت کرتا رہے۔ لگاتار کوشش اور اپنے مقصد پر مضبوطی سے ڈٹ جانے کو صبر کہتے ہیں۔ اسی لیے پہاڑ کو ''الصبیر'' کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے جما کھڑا رہتا ہے۔''

نجمہ بہت پڑھی لکھی تو نہ تھی کہ باباجی کی تمام باتیں اس کی سمجھ میں آجاتیں مگر اس نے بڑے غور سے تقریر سنی۔ صبر کے سچے اور اصلی معنی اس کی سمجھ میں آگئے۔

باباجی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال دے کر بتایا کہ وہ تھے سچے صبر والے جو اللہ کے راستے پر ڈٹ کر آگے بڑھتے رہے۔ مشکلیں آئیں، مخالفین نے جنگیں کیں مگر نہ تو ان لوگوں میں کمزوری آئی اور نہ ان کے قدم سست پڑے۔

جب تقریر ختم ہوئی تو جیسے نجمہ کے ذہن کی الجھن دور ہوگئی اور یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ ''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

گھر واپس جاتے ہوئے نجمہ نے اپنے ماموں سے کہا:

''ماموں جی! اب میں بہت محنت سے پڑھوں گی۔ یہی تو صبر ہے مگر زیادہ تر لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ جب کسی آدمی کے غلط کاموں کا بُرا نتیجہ اس کے سامنے آتا ہے تو اس سے کہتے ہیں صبر کرو۔ آخر ایسے صبر سے کیا ہوسکتا ہے۔ توبہ توبہ''۔

ماموں کہنے لگے:

''بیٹی! مسلمان کی تباہی کی وجہ یہی تو ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ تو باقی رہ گئے ہیں مگر ان کے معنی بدل گئے ہیں۔ میری بیٹی! تم محنت سے پڑھو اور قرآن مجید کو اپنا ساتھی بنالو۔ یوں تمہاری زندگی بھی سنور جائے گی اور تمہارے آس پاس والوں کی بھی۔''

دین کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنے کی صورت یہی تھی جو ہمارے زمانے میں تحریکِ پاکستان کی شکل میں سامنے آئی۔ جیسا کہ معلوم ہے، پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی کا رہینِ منت ہے۔ انہوں نے اس مطالبہ کی بنیاد ہی اس حقیقت پر رکھی تھی کہ قرآن کریم مسلمانوں کی عملی زندگی کا ضابطہ اسی صورت میں بن سکتا ہے جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنی اصول واحکام نافذ کئے جاسکیں۔ غیروں کی حکومت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے، دین نہیں رہ سکتا۔

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی نئی قیمت

جنوری 2026ء سے ''طلوعِ اسلام'' کا زرِ شرکت درجِ ذیل ہے

اندرون ملک:

فی پرچہ: **100** روپے

سالانہ: **1200** روپے

بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک: **1500** روپے

ہماری کوشش رہتی ہے کہ طلوعِ اسلام کو خوب سے خوب تر کیا جائے جس کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا پاکستان میں چھپائی کا سامان روز بروز مہنگا ہونے کی وجہ سے ہمیں دو تین سال بعد مجبوراً زرِ شرکت میں اضافہ کرنا پڑتا ہے تاکہ آمدن اور اخراجات میں توازن پیدا کیا جا سکے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ''طلوعِ اسلام'' اب آن لائن ہماری ویب سائٹس اور سوشل میڈیا جیسا کہ فیس بک، ٹوئٹر وغیرہ پر بھی فری دستیاب ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے قارئین بلا قیمت اِس کو انٹرنیٹ کے ذریعے پڑھتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں آپ کے تعاون کی مزید ضرورت ہے تاکہ یہ سلسلہ خوش اسلوبی سے چلتا رہے۔

اِدارہ طلوع اسلام کے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions

Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions

IBAN:PK36NBPA0465004073177672

Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان)

فون: 042-35714546, 0318-2221851 E-mail: idarati@gmail.com

Why Do We Celebrate Eid?

Bazm Tolu-e-Islam

LONDON

Every tribe, people or race throughout the world celebrates a festival of one sort or another. Muslims also celebrate some festive occasions on some days of the year. But the festival of Eid is one that we are commanded to celebrate in festivity, joy and happiness by Allah Almighty Himself ! This in itself portrays its importance.

In Surah Yunus it is said:

> *"O mankind! There has come to you indeed an admonition from your Lord and a healing for what is in the hearts; and a guidance and a mercy for the believers. Say: In the grace of Allah and in His mercy, in that they should rejoice. It is better than (all the worldly wealth) that they amass." (10:57-58).*

This is the occasion Muslims have been enjoined by Allah (SWT) Himself to celebrate with happiness and joy. This occasion is called *JASHN-E-NUZOOL-E-QURAN,* i.e. *EID-UL-FITR-DAY.*

The Quran was first bestowed from on high in the month of Ramadaan as a guidance to man (2:185). Therefore the entire month of fasting is, in a way, a preparation for the celebration of this festival day called Eid. The question arises: *what,* after all, has Allah given us for which we are commanded to rejoice? The answer is given by the Quran itself that it (the Quran) makes man aware of his true status in this world. Allah says:

> *"Indeed there has come to you from Allah, a Light and a clear Book." (5:15, 14:1).*

Ponder for a moment what happens in the dark, and what happens to darkness when it is stabbed by light! In darkness, no object, article or a thing's correct identity, position and location can be known; whereas in light every object's true location and identity is before us. In darkness we mistakenly presume a rope to be a snake, and *vice versa.* But when light comes, we see the difference between a rope and a snake!

DARKNESS

Before the revelation of the Holy Quran, man was in utter darkness. He was ignorant of his exalted status in the universe, nor was he aware of the

phenomena of nature. In short, he knew very little about the physical world and his own place in it. What kind of darkness was prevalent before the Divine revelation? It was the darkness of thought, of intellect, superstitions, and darkness of heart and mind. It was the darkness of being unacquainted with one's own actual self. And the fact is that this darkness of being unaware of his own true position and dignity was the *sum* of all his darkness: it was the source and fountainhead of his darkness. Had man been aware of his own true self, then he would have eliminated all other darknesses. Thus the question arises as to what dignified position the Quran has given to man? If we seek a detailed answer to the question, then we have to go through the whole Quran. And this is not possible to accomplish within the confines of this short article. We shall touch briefly on a few aspects, but it will not be possible to understand them until it is not seen that before the revelation of the Quran, to what extent was man engulfed in darkness, and to what depth of degradation he had descended.

At the time of the revelation of the Quran, man had enslaved man. In some societies he was in abject bondage. The feudal lord was his god. Monasticism had completely stunted his intellect and senses. Capitalism was sucking the last drop of blood of the working classes like a leech. This was the state of "civilisation" at the time the Quran was revealed.

It declared that the mission of the Prophet Muhammad (S) was to destroy the chains in which mankind has been shackled (7:157). Of these chains, the very first was that of ignorance and superstition. Due to his lowly position, man was afraid of the natural forces. Menacingly dark clouds, eardrum and nerve-shattering thunder, lightning, and the roaring of mighty rivers instilled a terrible fear in his heart. Gale-force winds made him shudder. When he saw huge, sky-embracing mountains, he felt an unspeakable awe. He felt puny and helpless before these awesome powers of nature.

GODS OR GODDESSES

He came to realise that there is some inexplicable power behind each of these phenomena. In order to save and secure himself (in his own mind) from the wrath of such mighty powers, he could think of only one kind of escape: to take these forces as gods or goddesses and bow before them in worship. He would offer human sacrifices and other oblations to appease these angered deities. This is the position that man had established for himself against these physical forces.

The Quran came and addressed him:

"Seest thou not that Allah has made subservient to you all that is in the

earth, and the ships gliding in the sea by His command? And He withholds the heaven from falling on the earth except with His permission. Surely Allah is Compassionate, Merciful to mankind." (22:65, 45:12-13).

Everything is for man's benefit. If you ponder for a moment, think and study the phenomena of nature, then your own standing *vis-à-vis* the universe will be made manifest to you. It will dawn upon you that you are not the subordinate, but the master of all things in the cosmos.

IMMUTABLE LAWS

These forces of nature are governed by predetermined laws made by Allah. These physical laws are unchangeable and permanent in their character and operation (33:62). There should thus be no doubt about the immutability of these laws. They can NEVER change suddenly and elude man's control. Everything acts or happens according to these laws. Man has been given the faculty to understand and acquire the knowledge of these laws. The more he acquires the knowledge of these unchangeable laws of nature, the more they will unfold and continue to unfold as man progresses towards mastering them.

This was the mirror in which he was shown his true identity by Allah (SWT) through the Quran. Thus in one leap he became the Respected Master of all things that bowed down to him in submission. He gained ascendancy over the entire creation.

But the main, challenging obstacle in man's forward march was the tyrannical subjugation of man by man. This cruel, pharaonic idea was so deeply ingrained in the human mind that he came to accept his serfdom as a natural norm and the right to be ruled by his dominating, enslaving masters – a sort of divine "birthright"! The Quran arrived and proclaimed that the right to exercise authority belongs only to Allah. He has enjoined that we should obey none but Him. Further the fundamental principle of *Deen* is that no human being – even though Allah may have given him a code of laws, a revelation (Nubuwwat), or the power to enforce it – has the right to say to others: *"It is not meet for a mortal that Allah should give him the Book and the judgment and the prophethood, then he should say to men: Be my servants besides Allah's; but (he would say): Be worshippers of the Lord because you teach the Book and because you study (it)." (3:78-79, 12:40).*

It can thus be seen that by this one single declaration, the Quran has destroyed the shackles of all kinds of subjugation. It freed man from every mode and aspect of human slavery and entrenched him with Allah's rule only.

SLAVERY OF MIND

The entire teaching of the Quran is the explanation of this one point alone. The obedience must be to the Laws of Allah only, and not of any man.; (12:40, 18:26). If he allows the rule of any other than Allah, it would be a negation of the very purpose of man's creation.

The sadistic tyranny and domination by brute force could hold a man physically, but there was another kind of slavery that was far worse than the former. This was the slavery of mind and heart, controlled by the so-called "religious leaders", priests, or "ulama", the peers, saints and mystics who claimed to be intercessors between man and God. This class, *vis-à-vis* the pharaonic class, badly wanted to be loved, obeyed, revered and worshipped. They were in fact a god-head. The Holy Quran exposed their machinations and true colours to mankind: that in reality it is all an economic game these little tin gods play with the masses to hide the truth. They wish to live parasitically in luxury on the earnings of others and do nothing themselves. The fact is that the majority of them never earn an honest day's living. (9:34, 43:23). They claim that they lead people to Allah's path, but the truth is that they block people from treading the path of Allah. They themselves become gods and thus do not allow anyone to reach Allah, but stop them on the way. The reason is simple: if Muslims make Allah's Quran their sole guide, then these pygmy tin gods would become redundant, irrelevant and non-existent!

The difference between secular and spiritual dominance is that the former disappears when a pharaoh, king or dictator dies, but the latter does not expire with the death of the dominance-seeker (wali, saint, sufi, etc.) Even from his grave he commands total obedience from the unthinking, gullible folk. In fact his stranglehold is powerful, his urge to dominate is overpowering. The living human is always in fear of the dead peer saheb's "spiritual powers". The peer's brainwashing and magnetic "power" may be likened to the flame which proves irresistible to the moths who keep circling it until they burn themselves completely. Allah rebutted man's fallacy and said to the living human:

> *"And they take besides Him gods who create naught, while they are themselves created, and they control for themselves no harm nor profit, and they control not death, nor life, nor raising to life." (25:3, 27:65, 46:4-5).*

The question is: why are you afraid of them, and why do you pin your hopes and aspirations on them for worldly gains? This is extreme and abject humiliation for a man to be afraid of a corpse lying in the grave, and accept him as the granter and guarantor of all his needs.

SALAAT AND ZAKAAT

One effective way of making a man subordinate to another was to deprive him of the means of sustenance by sheer brute force, thus placing him in total servitude. The Quran declared in unequivocal terms:

> **"Say: Come! I will recite what your Lord has forbidden to you: associate naught with Him and do good to parents and slay not your children for (fear of) poverty – We provide for you and for them – and draw not nigh to indecencies, open or secret, and kill not the soul which Allah has made sacred except in the course of justice. This He enjoins upon you that you may understand." (6:152, 11:6, 17:31).**

Through the agency of the Mu'mineen a system of government (Salaat) should be established which ensures an economic system (Zakaat) wherein every soul is guaranteed the basic necessities of life. No one will depend on another for his survival and no one will rule over the other.

These are the Quranic concepts and doctrines that gave man an honoured status and superiority over other creations. (17:70). Allah reminds mankind that if it safeguards itself from the pitfalls of wrong paths and evils and watches imbalances in society, then there are glad tidings for it from Him of a blissful life Here, and in the Hereafter. No fear, no constant torment and insecurity will be suffered by them. (2:37-38, 7:35, 10:62-64).

In this Quranic society, everyone- irrespective of race, colour or creed- will be equal in the eyes of the law and have an equal opportunity to develop his or her latent potentialities. There would be no favouritism, no partisanship, no nepotism. Whoever wishes to progress in life by toil and endeavour, will achieve his aim; and whoever, owing to his own ineptitude and lethargy lags behind in this temporal life, then that will be to his own detriment. (46:19, 99:7-8).

In this just society there will be no distinction made between a child born with a silver spoon in his mouth, and a boy born in a poor family. In a Quranic society there will be no such thing that the former gets the best education and every luxury, whereas the latter cannot even get a rudimentary education because of poverty. This worldly hierarchical class division was created by Brahminism (priestcraft) that kept a section of society in its iron clutches. The Quran made mankind free from all this, and on this very basis proclaimed that:

"CELEBRATE AND REJOICE ON RECEIVING THIS CHARTER OF FREEDOM."

****

4- وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فُضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جا سکتا ہے۔

5- وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلم نہیں۔

6- کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی جب تک اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7- وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لئے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں تو کسی دوسرے فلسفہ یا فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

8- مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9- ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں' انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

(3) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا موقف:

1- کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2- جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے بنیادی تصور کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

3- جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4- جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5- جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور شُستہ بناتی ہو۔

6- جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو' جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.79
ISSUE
03

Monthly TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/idaratolueislam1/ www.youtube.com/idaratolueislam